تعلیم و تربیت

مارچ
2010

تاریخ سازدن 23 مارچ 1940

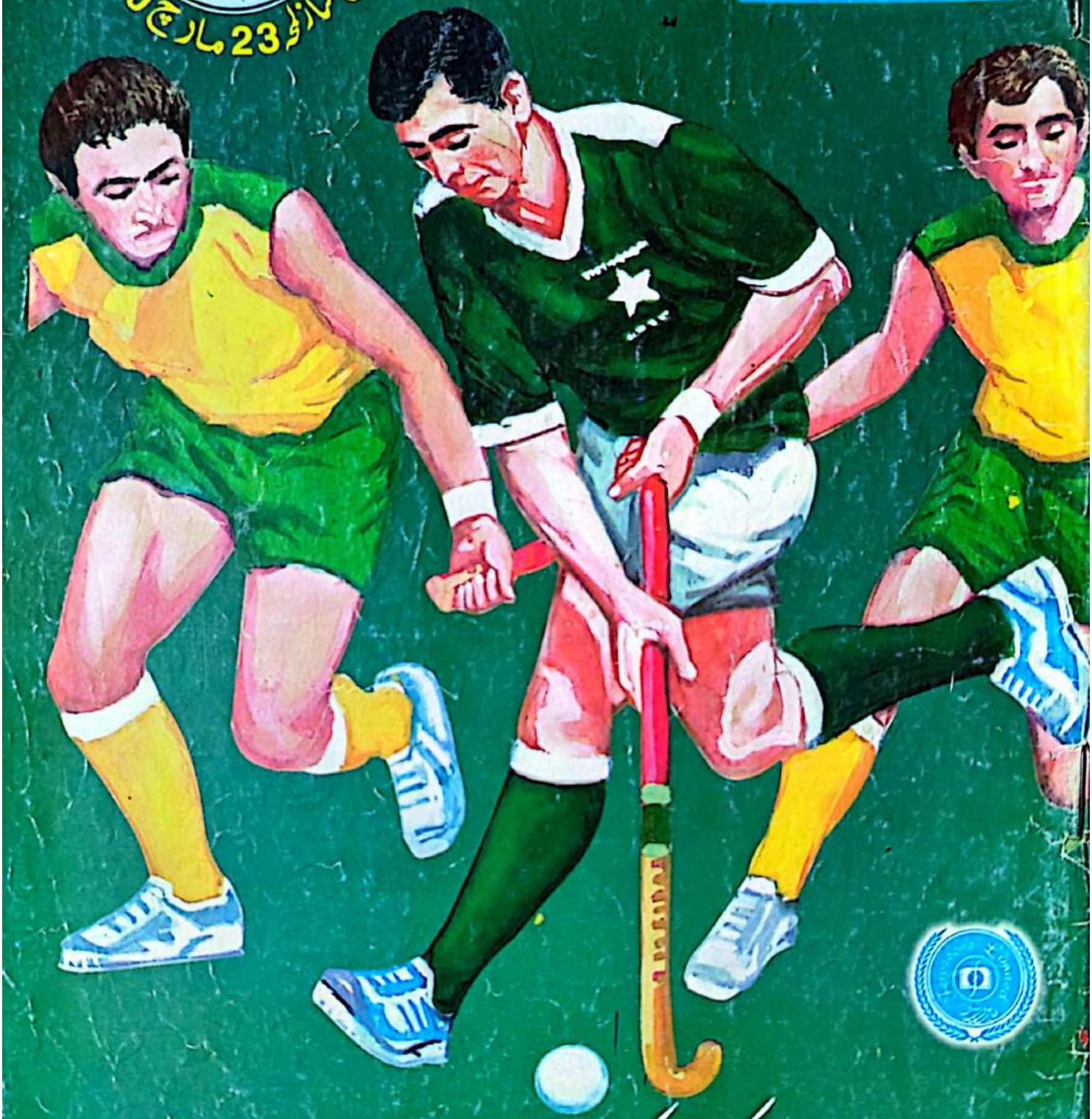

ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ 2010

شیڈول: صفحہ 22

Shezan
MIXED FRUIT
JAM
MANGO
JAM
APPLE
JAM
SWEET ORANGE
MARMALADE
جیسا پھل ویسا مزہ!

69 واں سال گیارہواں شمارہ

(رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی)

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

بچوں کا محبوب رسالہ

تعلیم و تربیت

مارچ 2010ء

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	1
درسِ قرآن وحدیث	سید مقبول حسین شاہ	2
نعت	ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی	3
یوم پاکستان	ضیاء الحسن ضیاء	4
چور	علی اکمل تصور	5
میرے پسندیدہ اشعار	باذوق قارئین	9
23 مارچ 1940ء	محمد فاروق دانش	11
دردِ دل	حسن ذکی کاظمی	14
چیونٹی	اسماعیل میرٹھی	19
ورلڈ کپ	ریاض احمد	20
کوٹھی نمبر 206	فرزانہ رباب	25
مفید مشغلے	غلام حسین میمن	28
بچوں کا انسائیکلو پیڈیا	طارق ریاض خان	32
خونی شیر	محمد عارف عثمان	36
ہاشی	معروف احمد چشتی	40
چکر پہ چکر	صائمہ کامران	43
آپ بھی لکھئے	ہونہار ادیب	51
آپ کا خط ملا	ننھے قارئین	55
لاڈی	نذیر انبالوی	57
ہونہار مصور	ننھے مصور	62
میری زندگی کے ۔۔۔	پُر عزم قارئین	63
بلا عنوان	ننھے خوش نویس	64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق

"ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ"

قیمت فی پرچہ 25 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

23 مارچ کا دن ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے، آج سے 70 سے قبل اس تاریخ کو برصغیر کے مسلمانوں نے لاہور میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں قائد اعظمؒ کی سربراہی میں ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔

یہ تاریخ ساز اجلاس 23 مارچ 1940ء کو اُس جگہ منعقد ہوا تھا جہاں آج مینارِ پاکستان پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑا ہے۔ یہاں منظور ہونے والی قرارداد کو "قرار دادِ لاہور" کا نام دیا گیا تھا، مگر ہندو پریس نے طنزیہ انداز میں اسے قراردادِ لاہور کی بجائے قرار دادِ پاکستان کا نام دیا۔ یہ قرار داد پھر واقعی قراردادِ پاکستان ثابت ہوئی۔ برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد سے صرف 7 سال اور 5 ماہ کی قلیل مدت میں دُنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی ملک پاکستان کے نام سے قائم ہوا۔ اب وطنِ عزیز کی بقا اسی میں ہے کہ آپ معمارِ قوم کی حیثیت سے تعلیم حاصل کریں اور وطن کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کریں۔

آپ نے تعلیم و تربیت میں ہونے والی تبدیلیوں کو جس طرح سراہا ہے اس سے ہمارا حوصلہ بہت بڑھا ہے۔ تبدیلیوں کا یہ سلسلہ جاری ہے اور اس شمارے سے معلوماتی اور دل چسپی سے بھرپور ایک نیا سلسلہ "بچوں کا انسائیکلو پیڈیا" شروع کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ آپ کو یقیناً بہت پسند آئے گا۔

مارچ میں آپ کے سالانہ امتحان ہوں گے، ہمیں اپنے نتائج سے ضرور آگاہ کیجئے گا، ہم آپ کی کامیابیوں کے لئے دُعا گو ہیں۔

اب آپ اِس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیجئے۔

آپ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں

فی امان اللہ (ایڈیٹر)

چیف ایڈیٹر	ایڈیٹر، پبلشر	اسسٹنٹ ایڈیٹر	مشیر خاص	مشیر	سرکولیشن اسسٹنٹ
عبدالسلام	ظہیر سلام	نذیر انبالوی	سید مقبول حسین شاہ	سعید لخت	محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

فون: 36361309-36361310 فیکس: 6278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 500 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 1250 روپے۔

ایشیا، افریکا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 1250 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور
UAN: 042 - 111 62 62 62 Fax: 042 - 6278816
Email: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

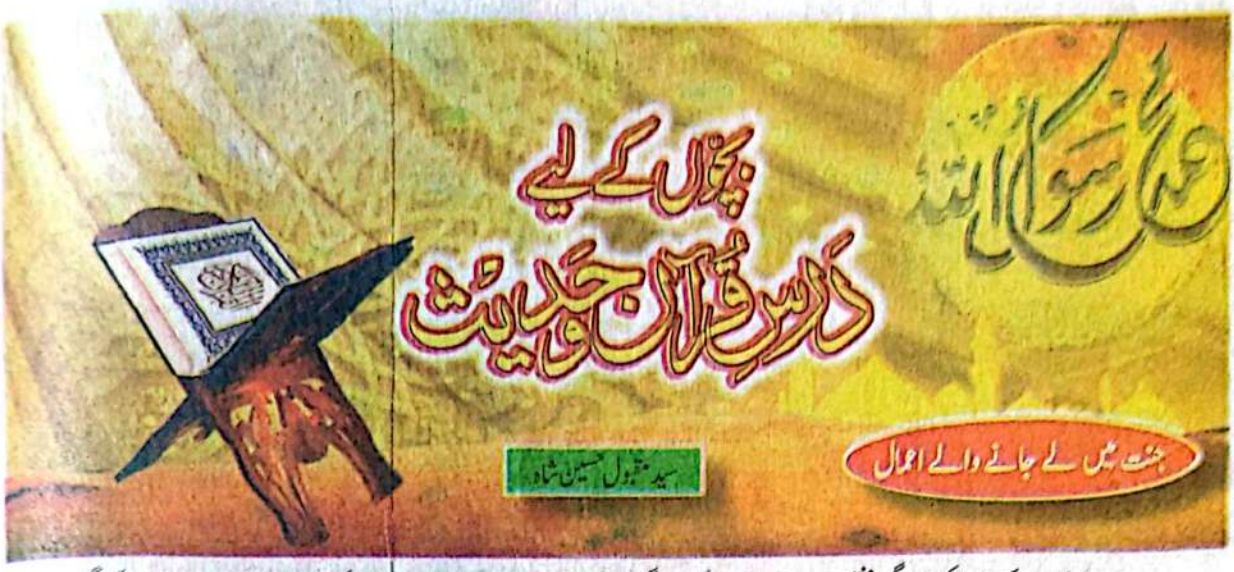

سب جانتے ہیں کہ دُنیا کی زندگی مختصر ہے اور آخرت کی زندگی نہ ختم ہونے والی۔ قرآن مجید میں ہے کہ آخرت کا ایک دِن دُنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی سو سال بھی زندہ رہے تو آخرت کے ایک دن کا دسواں حصہ یعنی دو گھنٹے اور چوبیس منٹ ہوئے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم جب پوچھیں گے کہ دُنیا میں کتنا عرصہ رہے تو کہیں گے کہ ایک صبح یا ایک شام۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر وہ کام کریں جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو، ہمارا نامۂ اعمال بہتر ہو، قیامت کے روز ہمارا نیکیوں والا پلڑا جُھک جائے اور ہم جنت میں چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے یہ بے پناہ محبت ہے کہ اُس نے ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کہا جو ہمارے لئے مشکل ہو یا وہ ہم پر بوجھ ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

سورۂ رعد آیت ۲۲: "اور جنہوں نے اپنے رب کی خوشی کے لئے (تکلیف اور پریشانی میں) صبر کیا اور قائم رکھی نماز اور جو ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ اور ظاہر (غریبوں، ضرورت مندوں اور نیکی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے بدلے میں بھلائی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر (یعنی جنت) ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے کہ تکلیف یا پریشانی آنے پر ہم اُسے دُور کرنے کی پوری کوشش کریں، لیکن ہم اُس کو اپنے ذہن پر مسلط نہ کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگیں، اللہ پر بھروسا کریں، صبر کریں اور پُر سکون رہیں۔ اِس طرح ذہنی پریشانی یا ذہنی دباؤ نہ ہونے کی وجہ سے ہماری صحت ٹھیک رہے گی، صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمارا ساتھی ہو گا اور یہ بابرکت ساتھ ایسا ہے جس سے تکلیفیں اور پریشانیاں دُور ہوں گی۔

دُوسری سب سے اہم چیز جس کی اس آیت میں نشان دہی کی گئی ہے نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

1۔ مجھے نماز کے ذریعے یاد کرو۔ (سورۂ طٰہٰ)

2۔ سجدہ کرو اور میرے قریب ہو جاؤ۔ (سورۂ علق)

چنانچہ نماز کا جب وقت ہو تو دل میں یہ خوشی ہونی چاہیے کہ میرا خالق جس سے میں ہر مشکل اور پریشانی میں دُعا مانگتا ہوں، میرا منتظر ہے کہ میں اُسے نماز کے ذریعے یاد کروں اور سجدہ کرتے ہوئے اُس پاک ہستی کے قریب ہو جاؤں۔ نماز میں رکوع کرتے وقت انسان جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکے تو دل میں یہ ہو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بن کر رہنا ہے۔ اس آیت میں تیسری اہم چیز یہ ہے کہ ہم غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کریں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اُس میں سے اُن پر خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ مجھ پر قرض ہو گا جو میں دو گنا کر کے واپس کروں گا۔ چنانچہ غریبوں کی مدد کرنے سے رزق میں کمی نہیں آتی، اضافہ ہوتا ہے۔ اس آیت میں چوتھی چیز یہ ہے کہ بُرائی کے جواب میں بھلائی کی جائے۔ انسان ہر حال میں دُوسرے کا بھلا چاہے۔ یہ انسانیت کا اعلیٰ ترین معیار ہے اور یہ ایسا طرزِ عمل ہے جس سے سب جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص کی عزت ہوتی ہے۔

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ کی باتیں کس قدر اچھی ہیں جو دل پر اثر کرتی ہیں اور جن پر عمل کرنے سے دُنیا میں ہماری عزت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے خیر و برکت ہوتی ہے اور آخرت میں ہم جنت میں جا سکتے ہیں۔ آیئے عہد کریں کہ ہم ان باتوں کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں گے اور پوری زندگی اِن پر عمل کریں گے۔ آمین۔

نعت

رب کے بعد ہیں سب سے پیارے پاک محمدؐ
ہم سب کی آنکھوں کے تارے پاک محمدؐ

آپؐ سے روشن چاند ستارے پاک محمدؐ
آپؐ سے مہکے گلشن سارے پاک محمدؐ

ہر مشکل میں "صلی علیٰ" ہم پڑھ لیتے ہیں
اس نے سارے کام سنوارے پاک محمدؐ

گزرے ہوئے وہ لمحے اکثر یاد آتے ہیں
ہم نے جو طیبہ میں گزارے پاک محمدؐ

ہم پہ کرم فرمائیں ، پھر روضے پہ بلالیں
خوب کریں روضے کے نظارے پاک محمدؐ

اپنے رب سے کیجئے دُعا امت کے حق میں
آئے ہیں جھولی کو پسارے پاک محمدؐ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، لاہور

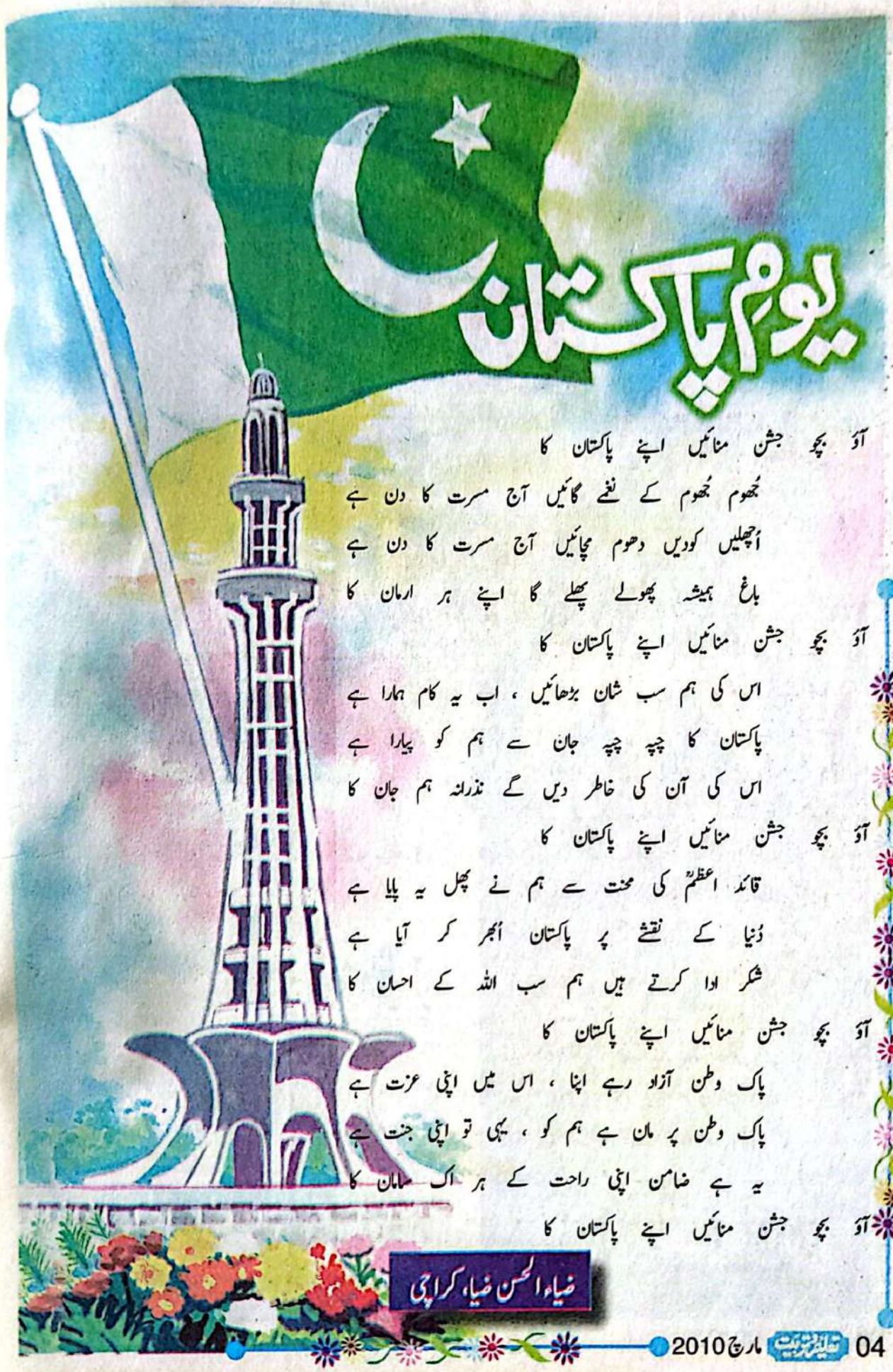

یومِ پاکستان

آؤ بچو جشن منائیں اپنے پاکستان کا
جُھوم جُھوم کے نغمے گائیں آج مسرت کا دن ہے
اُچھلیں کودیں دھوم مچائیں آج مسرت کا دن ہے
باغ ہمیشہ پھولے پھلے گا اپنے ہر ارمان کا
آؤ بچو جشن منائیں اپنے پاکستان کا

اس کی ہم سب شان بڑھائیں ، اب یہ کام ہمارا ہے
پاکستان کا چپہ چپہ جان سے ہم کو پیارا ہے
اس کی آن کی خاطر دیں گے نذرانہ ہم جان کا
آؤ بچو جشن منائیں اپنے پاکستان کا

قائد اعظمؒ کی محنت سے ہم نے پھل یہ پایا ہے
دُنیا کے نقشے پر پاکستان اُبھر کر آیا ہے
شکر ادا کرتے ہیں ہم سب اللہ کے احسان کا
آؤ بچو جشن منائیں اپنے پاکستان کا

پاک وطن آزاد رہے اپنا ، اس میں اپنی عزت ہے
پاک وطن پر مان ہے ہم کو ، یہی تو اپنی جنت ہے
یہ ہے ضامن اپنی راحت کے ہر اک سامان کا
آؤ بچو جشن منائیں اپنے پاکستان کا

ضیاء الحسن ضیا، کراچی

فخرو اپنے کام میں ایسا ماہر تھا کہ اُس کے سب دوست اُس کی مہارت کی ایک دُوسرے کو مثالیں دیا کرتے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے کام کے حوالے سے آج تک کسی کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے کام دکھاتا تھا اور اتنی ہی تیزی سے غائب ہو جاتا تھا اور اِس کے شکار کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔

آج پھر فخرو شکار پر نکلا تھا۔ سڑک پر ایک بدقسمت موٹر سائیکل سوار حادثے کا شکار ہو چکا تھا۔ حادثے کی وجہ سے ٹریفک رک گئی تھی۔ سڑک پر گاڑیوں کی ایک لمبی قطار موجود تھی۔ کچھ جلد باز ہارن بجا بجا کر راستہ مانگ رہے تھے۔ پولیس ابھی حادثے کی جگہ پر نہیں پہنچی تھی اور فخرو کے لیے یہ سنہری موقع تھا۔

وہ اپنے شکار کی تلاش میں تھا اور پھر اُسے شکار نظر آگیا۔ وہ ایک اُدھیڑ عمر آدمی تھا۔ قیمتی لباس پہنے وہ اپنی نئی کار میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار موجود تھے۔ وہ اپنے موبائل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ فخرو اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے سنا وہ آدمی کہہ رہا تھا۔

"سڑک پر حادثہ ہوا ہے جلدی پہنچو....." اُس کی بات ابھی جاری تھی کہ فخرو نے اُسے مخاطب کیا۔

"جناب! آپ کی گاڑی کا پچھلا ٹائر پنکچر ہو چکا ہے....."

فخرو کی بات سن کر وہ آدمی غیر ارادی طور پر نیچے جھکا۔ وہ متاثرہ ٹائر دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ ایک لمحہ فخرو کے لیے کافی تھا۔ وہ عقاب کی مانند جھپٹا اور اُس آدمی کا موبائل فون چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لیے وہ آدمی سناٹے میں آگیا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اتنی دیر میں فخرو سڑک عبور کر کے ایک گلی میں گھس گیا۔ موبائل فون پر رابطہ ابھی برقرار تھا۔ کوئی دُوسری طرف تیز آواز میں بول رہا تھا۔

"سر..... سر..... آپ بولتے کیوں نہیں؟ ہم پہنچ رہے ہیں....." فخرو نے بٹن دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

اب وہ تیز چل رہا تھا۔ چلنے کے دوران اس نے موبائل فون سے سم نکالی اور پھر ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ اب وہ محفوظ تھا۔ اپنی واردات میں وہ کامیاب رہا تھا۔ اس نے چائے منگوائی اور پُر سکون نظر آنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ آج اُس کے ہاتھ ایک قیمتی موبائل لگا تھا۔ اس موبائل کو فروخت کر کے اسے اچھی رقم مل سکتی تھی۔ احتیاط صرف یہ کرنی تھی کہ موبائل کو آن نہیں کرنا تھا۔

چائے پینے کے بعد وہ سرنگ جیسی گلیوں اور محفوظ راستوں سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ گیا۔ فخرو کی بیوی اُس کی منتظر تھی۔ اُس کا اکلوتا بیٹا شرفو ایک کونے میں بیٹھا ہوم ورک کر رہا تھا۔ فخرو ایک کچی بستی میں رہتا تھا۔ تنگ دستی کے باوجود فخرو اپنے بیٹے کو ایک اچھے سکول میں پڑھا رہا تھا۔

فخرو جب گھر واپس آتا تھا تو اسے اپنی بیوی کی آنکھوں میں فکر مندی کے آثار نظر آتے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی آپ خیریت سے گھر پہنچ گئے ہیں۔"

فخرو کی بیوی نے اُسے دیکھ کو سکون کا سانس لیا تھا۔

نسرین..... پریشان مت ہوا کر..... یہ میرا روز کا کام ہے....." فخرو مسکرایا۔

روز کا کام ہے اسی لیے تو پریشان ہوتی ہوں۔ اگر کسی دن آپ پکڑے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ میں شرفو کو کیسے سنبھالوں گی؟ آپ یہ کام چھوڑ دیجیے۔ کوئی ایسا کام کیجئے کہ جس میں پکڑے جانے کا ڈر نہ ہو۔ اور ہم بھی سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں....." نسرین کہتی چلی گئی۔

"تم تو پاگل ہو..... مجھے کام نہیں ملا تب ہی تو میں یہ کام کر رہا ہوں۔ میری ایف اے تک کی تعلیم بھی بے کار گئی....."

"جتنی جرأت اور دلیری سے آپ چوری کرتے ہیں اگر آپ نے اسی حوصلے سے کام تلاش کیا ہوتا تو کام بھی مل جاتا....." آج نسرین ہار ماننے والی نہیں تھی۔

"اچھا اب دماغ خراب مت کرو۔ دیکھو میں کیا لایا ہوں۔"

فخرو نے اپنی اندرونی جیب سے چمکتا دمکتا موبائل فون نکال کو نسرین کو دکھایا۔

"یہ بہت قیمتی موبائل ہے، مہینے دو مہینے گھر کا خرچ اس کو فروخت کرنے کے بعد چل ہی جائے گا۔ اب سکون ہی سکون ہے....."

فخرو بہت خوش ہو رہا تھا اور نسرین خاموش تھی، جب کہ شرفو اپنا ہوم ورک بھول گیا تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں تھیں۔ اس کے کانوں میں اپنی امی کی آواز گونج رہی تھی۔

"اگر کسی دن آپ پکڑے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟" شرفو اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر سے باہر نکل گیا۔ اسے گھر سے نکلے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ کوئی دوڑتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ یہ خلیل تھا۔ شرفو کا دوست..... وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

"کیا ہوا خلیل..... خیریت تو ہے؟" فخرو نے پوچھا۔

"چاچا..... چاچا..... وہ..... وہ شرفو....." خلیل کی نامکمل بات سن کر نسرین کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔

"کیا ہوا شرفو کو.....؟" نسرین اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں....." فخرو مردہ لہجے میں بولا۔

"آپ رہنے دیجئے....." نسرین کا لہجہ بہت سخت تھا۔ فخرو کا سر جھک گیا۔ نسرین نے اپنی چادر سنبھالی اور خلیل کے ہمراہ کرامت کی دُکان کی طرف بھاگی۔ دو گلیاں عبور کرنے کے بعد کرامت کی دُکان آگئی۔ نسرین نے دیکھا۔ کرامت نے شرفو کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔ دُکان تک پہنچتے پہنچتے کرامت نے شرفو کے رخساروں پر دو تھپڑ لگا دیئے تھے۔

"بھائی! میرے بچے کو معاف کردو....." نسرین کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ درد کی وجہ سے شرفو بھی رو رہا تھا۔ نسرین کرامت کی منت سماجت کر رہی تھی۔ پھر کرامت کے دل میں رحم آگیا۔

"بہن میں اِسے چھوڑ دیتا ہوں، لیکن یہ لڑکا اب میری دُکان پر نہیں آنا چاہیے، چور کا بیٹا چور....."

فخرو دل کی بے چینی پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ وہ بھی شرفو کی رہائی کے لیے کرامت کی دُکان پر آگیا تھا۔ "چور کا بیٹا چور....." یہ بات سن کر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ اسے شرفو پر غصہ آرہا تھا۔ اُس نے ایسی حرکت کیوں کی تھی؟ اسے اس سوال کا جواب چاہیے تھا۔

گھر پہنچ کر فخرو چیخ پڑا۔ اس نے شرفو کو ایک تھپڑ بھی لگا دیا تھا۔ "تم نے چوری کیوں کی؟" تیزی میں فخرو نے یہ کہہ دیا تھا، لیکن پھر اپنی بات پر خود ہی شرمندہ ہو گیا۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں، آپ جو کام کریں گے میں بھی

وہی کام کروں گا۔"

شرفو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ فخرو کا دل پگل گیا۔ ایک کونے میں نسرین آنسو بہا رہی تھی۔ فخرو نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اسے تربیت کی ضرورت تھی۔ پھر فخرو کا سر جھک گیا۔ کتنے ہی لمحے اسی طرح گزر گئے۔ سب ہی خاموش تھے۔ ایسے میں شرفو کے کانوں سے سرسراہٹ کی آواز ٹکرائی۔ شرفو نے دیکھا۔ اس کا باپ اپنی جیب سے موبائل نکال کر اس میں سم لگا رہا تھا۔

پھر اُس نے موبائل آن کر دیا۔ سکرین پر روشنی ہوئی اور پھر نیٹ ورک کے سگنل آگئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اُٹھی..... موبائل کا مالک شاید اپنے موبائل کی واپسی کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ فخرو نے کانپتے ہاتھ سے یس والا بٹن دبایا اور موبائل اپنے کان سے لگا لیا۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے کوئی پوچھ رہا تھا۔

"میں فخرو ہوں..... آپ کون ہیں.....؟" فخرو نے پوچھا۔

"میں اس موبائل کا مالک ہوں، آج دوپہر میرا موبائل ایک شخص چھین کر لے گیا تھا۔"

"آپ میرا پتہ لکھ لیجئے اور اپنا موبائل لے جایئے۔" فخرو نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتایا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ فخرو نے اپنے بیٹے کی تربیت کے لئے سچائی اور ایمان داری کے راستے پر پہلا قدم رکھ دیا تھا۔ اب اس قدم کا انجام کیا ہونے والا تھا، یہ تو خدا ہی بہتر جانتا تھا۔ ان تینوں کے دلوں کو وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ فخرو جانتا تھا کہ موبائل فون کا مالک آیا ہے وہ کمرے سے باہر نکلا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر وہی ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ جس سے فخرو نے موبائل چھینا تھا۔ فخرو کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ آدمی بھی چونک پڑا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک چور خود اس سے رابطہ کرے گا۔ فخرو اس آدمی کو کمرے میں لے آیا۔

"یہ لیجئے..... یہ آپ کا موبائل ہے....." فخرو نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس سوال کا جواب تو تمہیں دینا ہی ہو گا کہ ایک راہ زن رہبر کیسے بنا؟" وہ آدمی مسکراتے ہوئے

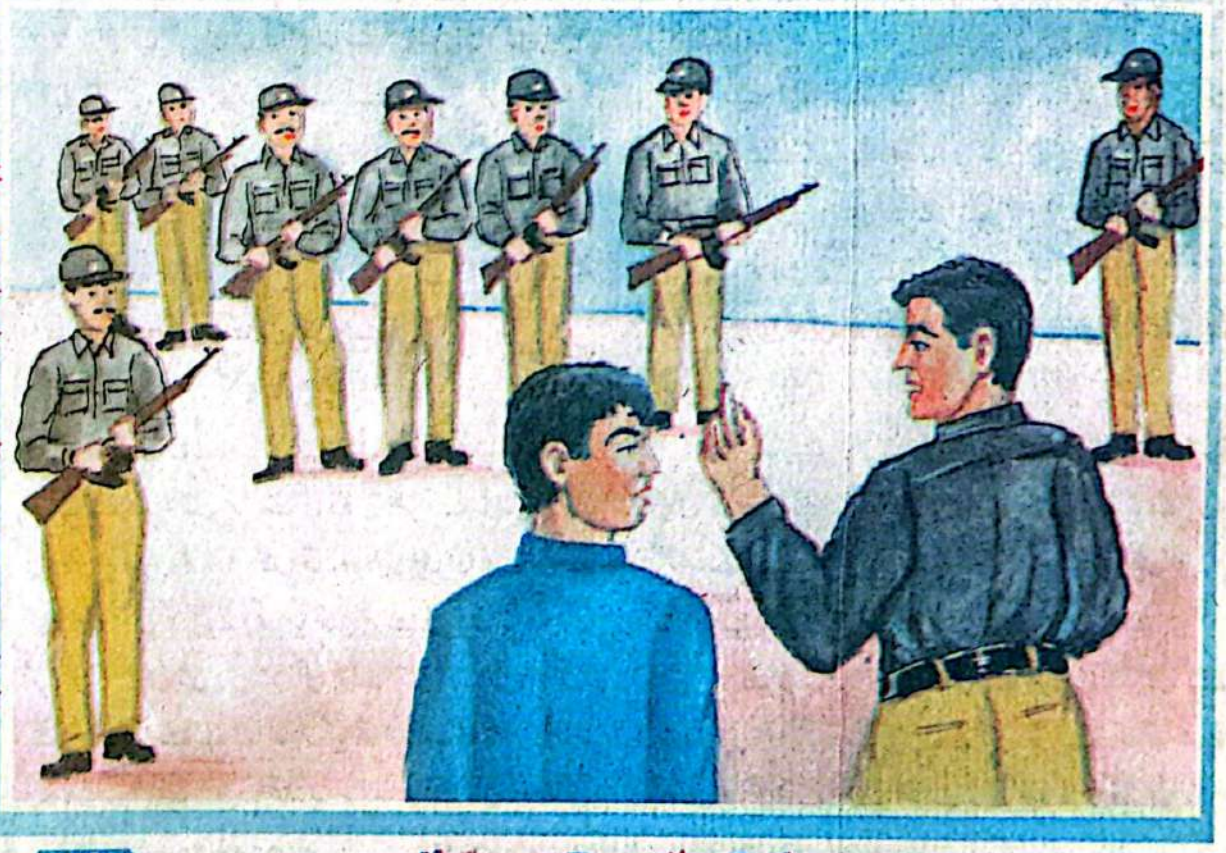

بولا۔

"یہ میرا بیٹا ہے شرفو، میں نہیں چاہتا کہ یہ میرے جیسا چور بنے۔"

فخرو نے شرفو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک جملے میں ساری کہانی بیان کر دی۔

"کیا تم مجھے جانتے ہو.....؟" اس آدمی نے پوچھا۔

فخرو نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرے ساتھ آؤ....."

فخرو اس آدمی کے ہمراہ گلی میں پہنچا تو گلی کا منظر دیکھ کر خوف سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ گلی میں بیس کے قریب پولیس کے افراد باوردی کھڑے تھے۔ اسلحہ ان کے ہاتھوں میں تھا۔

"یہ سب میرے ماتحت ہیں۔ مجھے مجرم سے نہیں جرم سے نفرت ہے۔ تم نے اپنی خوشی سے جرم کا راستہ چھوڑا ہے۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ مجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ایک راہ زن رہبر کیسے بنا، لیکن اب میں ایک چور کو پہرے دار بنانا چاہتا ہوں۔"

اس آدمی کے لہجے میں نرمی موجود تھی۔ فخرو ہنس پڑا۔ خوشی آنسو بن کر اُس کی آنکھوں سے چھلک پڑی تھی۔ پولیس واپس چلی گئی۔ شام ہو رہی تھی۔ آنے والی صبح فخرو کی زندگی کی نئی صبح تھی۔ نسرین اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی، جس نے انہیں رحمتوں سے نوازا تھا۔ پھر شرفو خلیل کے گھر گیا۔

"میرے ساتھ آؤ....." شرفو نے خلیل کو اشارہ کیا۔ پھر دونوں دوست ایک سمت میں چل پڑے۔

"کیا ہوا ہے؟" خلیل نے پوچھا۔

"خاموش رہو....." شرفو نے اُسے ڈانٹ دیا۔ گلی عبور کرنے کے بعد انہیں کرامت کی دُکان نظر آنے لگی۔ کرامت کی دُکان پر گاہکوں کا ہجوم نہیں تھا۔ وہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے شرفو اور خلیل کو آتے دیکھ لیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ شرفو کی آنکھوں میں رتی بھر بھی خوف نہیں تھا۔ ابھی دو گھنٹے پہلے شرفو کرامت سے مار کھا کر گیا تھا اور اب وہ پھر کرامت کی دُکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ سراسر حماقت تھی۔ دُوسری طرف ایک عجیب بات یہ تھی کہ کرامت کی آنکھوں میں شرفو کے لئے نفرت کے جذبات موجود نہیں تھے۔ شرفو نے آخر اس کی دُکان میں چوری کی تھی۔ یہ معاملہ سمجھ سے باہر تھا۔

چند لمحوں بعد شرفو کرامت کے سامنے پہنچ گیا۔ انہوں نے ایک دُوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر کرامت بولا۔

"کیا ہوا ہے؟" یہ سوال خلیل نے بھی پوچھا تھا۔ تب شرفو نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

"کام یابی....." شرفو زور سے چیخا اور پھر کرامت سے لپٹ گیا۔ خلیل ہنسنے لگا۔

شاباش میرے بچے!" کرامت خوش ہو گیا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ اگر آپ میری مدد نہ کرتے تو میرے ابو کے دل میں یہ احساس کبھی نہ جاگتا کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں۔"

"مدد کیسے نہ کرتا، تمہارا راستہ درست تھا۔ ویسے مجھے افسوس ہوا، میں نے ناحق تمہیں دو تھپڑ لگا دیئے تھے۔"

"کوئی بات نہیں..... اس پٹائی کی وجہ سے تو کہانی میں سچائی کا رنگ اُترا ہے۔"

"ویسے ایک بات ہے فخرو نے غور نہیں کیا ورنہ ہم پکڑے جاتے۔ میں نے جلد بازی میں کہہ دیا تھا کہ چور کا بیٹا چور ہے، سوال یہ ہے کہ مجھے کیسے معلوم ہوا کہ فخرو چوری کرتا ہے، یہ بات تو تم نے ہی مجھے بتائی تھی....."

وہ تینوں خوش ہو رہے تھے۔ پھر ایک دم کرامت سنجیدہ ہو گیا۔

"میرے بچے آفرین ہے تم پر، ہمیشہ والدین ہی اپنے بچوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں، حق سچ کی بات بتاتے ہیں، تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور تم نے تو اپنے باپ کی ہی تربیت کر ڈالی، مجھے تم پر ناز ہے....."

کرامت کی بات، سُن کر خوشی سے شرفو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اپنی کوشش سے اس نے اپنی امی کے ساتھ اپنے مستقبل کو بھی آنے والے خطرات سے محفوظ کر لیا تھا۔☆☆

میرے پسندیدہ اشعار

آپ کے پسندیدہ اشعار پر مبنی "تعلیم و تربیت" کا نیا دل چسپ سلسلہ

اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
(فاطمہ لئیق، ملتان)

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ
(کنول اشرف، گوجرانوالہ)

بڑھا سکو تو بڑھاؤ وقارِ انسانی
ہو سکے تو شکستہ دلوں سے پیار کرو
(زبیر احمد، حافظ آباد)

سجائے رکھتے ہیں ہونٹوں پر ہنسی کی جو کرن
نہ جانے روح میں کتنے شگاف رکھتے ہیں
(ملک ہاشم ضیاء، گجرات)

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ
(مدیحہ جاوید، سرگودھا)

خلوصِ دل ہی نہیں ربطِ باہمی کے لیے
وفا بھی شرط ہے اے دوست دوستی کے لیے
(شمع عرفان، جہلم)

دھول ماجد جمی ہے چہروں پر
لوگ آئینہ صاف کرتے ہیں
(محمد فیضان اشرف، فیصل آباد)

دیکھا جو زندگی کے تماشے کو غور سے
ہر آدمی میں اور کئی آدمی ملے
(محمد ضیاء اللہ، میاں والی)

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
(محمد طاہر وسیم، جلال پور جٹاں)

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا
(اسامہ طارق، راول پنڈی)

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پہ اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے
(اقصیٰ اصغر، بہاول پور)

ساحل پہ رہ کے ہمیں فقط ریت ہی ملی
ہم ڈوبتے تو گوہرِ نایاب دیکھتے
(گلاب نیاز خان، کوہاٹ)

تاریخ لکھا کرتے ہیں جو خون سے اپنے
نام اُن کا، نشان اُن کا مٹائے نہ مٹے گا
(سلمیٰ صفی، ٹمن)

نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آ گئے آنسو
کسی نے ہاتھ بڑھایا جو دوستی کے لئے
(عبدالصمد بھٹہ، لاہور)

میں نے دیکھی ہیں ہر اک پھول کی آنکھیں پُرنم
کیسے کہہ دوں کہ گلستاں میں بہار آئی ہے
(علی رضا بھٹہ، حافظ آباد)

زباں پر شکوہ رنج و الم لایا نہیں کرتے
نبیؐ کے نام لیوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے
(حافظ محمد ناصر، گروٹ)

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بُوٹے میں نے پالے ہیں
(سید منظر بلال، سمندری)

ندیم جو بھی ملاقات تھی، ادھوری تھی
کہ ایک چہرے کے پیچھے ہزار چہرے تھے
(دامنِ زہرا، اسلام آباد)

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں
(محمد تنویر انگرا، خوشاب)

صبح کو باغ میں شبنم پڑتی ہے فقط اس لئے
کہ پتہ پتہ کرے ذکر خدا کا باوضو ہو کر
(جاذب علی شاہ، کراچی)

دلوں کی عمارتوں میں کہیں بندگی نہیں
اور پتھر کی مسجدوں میں خدا ڈھونڈتے ہیں لوگ
(میمونہ ساجد، راول پنڈی)

انقلابِ زمانہ کی یہ صورت دیکھو
کل تو تھے شاہ مگر آج ہیں در در کے فقیر
(نوید حسین، لاہور)

شہیدوں کے لہو سے جو زمین سیراب ہوتی ہے
بڑی زرخیز ہوتی ہے، بہت شاداب ہوتی ہے
(مریم شفیق، لاہور)

آسمانوں سے مت پوچھ منزل کا راستہ
اپنے سفر میں راستے کے پتھر تلاش کر
(رابعہ لطیف، قصور)

ہر میل کے سنگ پہ لکھ دو یہ عبارت
ناکام ارادوں کو کبھی منزل نہیں ملتی
(فریحہ مرزا، لاہور)

جس شہر کی مسجدیں ترستی ہوں جبینوں کو
پھر سمجھ لو اُس شہر کا ہر اک شخص خدا ہے
(رانا صہیب جاوید، فیصل آباد)

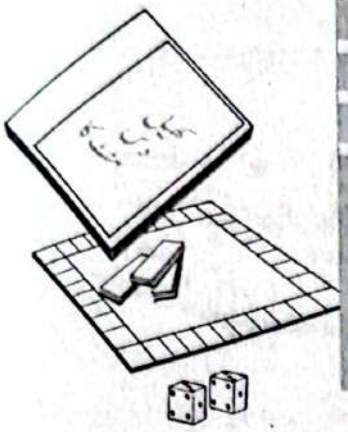

کھیل دس منٹ کا

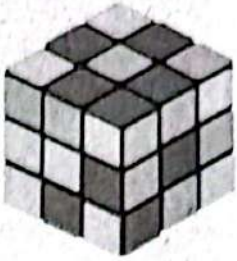

ذ	ت	م	د	ں	ب	م	س	ک	ت
ت	ر	ک	ی	ع	ذ	ر	ف	خ	ز
ض	ل	ش	غ	و	م	ا	چ	ن	ن
غ	م	ٹ	ب	د	ش	ک	ق	ل	ع
ت	ص	ن	ح	ی	غ	ش	م	ا	ش
ج	ر	م	ر	ع	ظ	غ	ب	ض	چ
ر	چ	س	ی	ر	ع	ر	ا	ق	ڈ
م	ط	ن	ں	ب	ا	ی	ر	ا	ں
پ	ا	ک	س	ت	ا	ں	ب	س	خ
و	ں	ا	ت	س	ں	ا	غ	ف	ا

آپ نے حروف ملا کر دس اسلامی ممالک کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ممالک کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں اور اُوپر سے نیچے تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن اسلامی ممالک کو آپ نے تلاش کرنا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

سعودی عرب۔ پاکستان۔ ترکی۔ شام۔ مصر۔ ایران۔ افغانستان۔ مراکش۔ بحرین۔ عراق

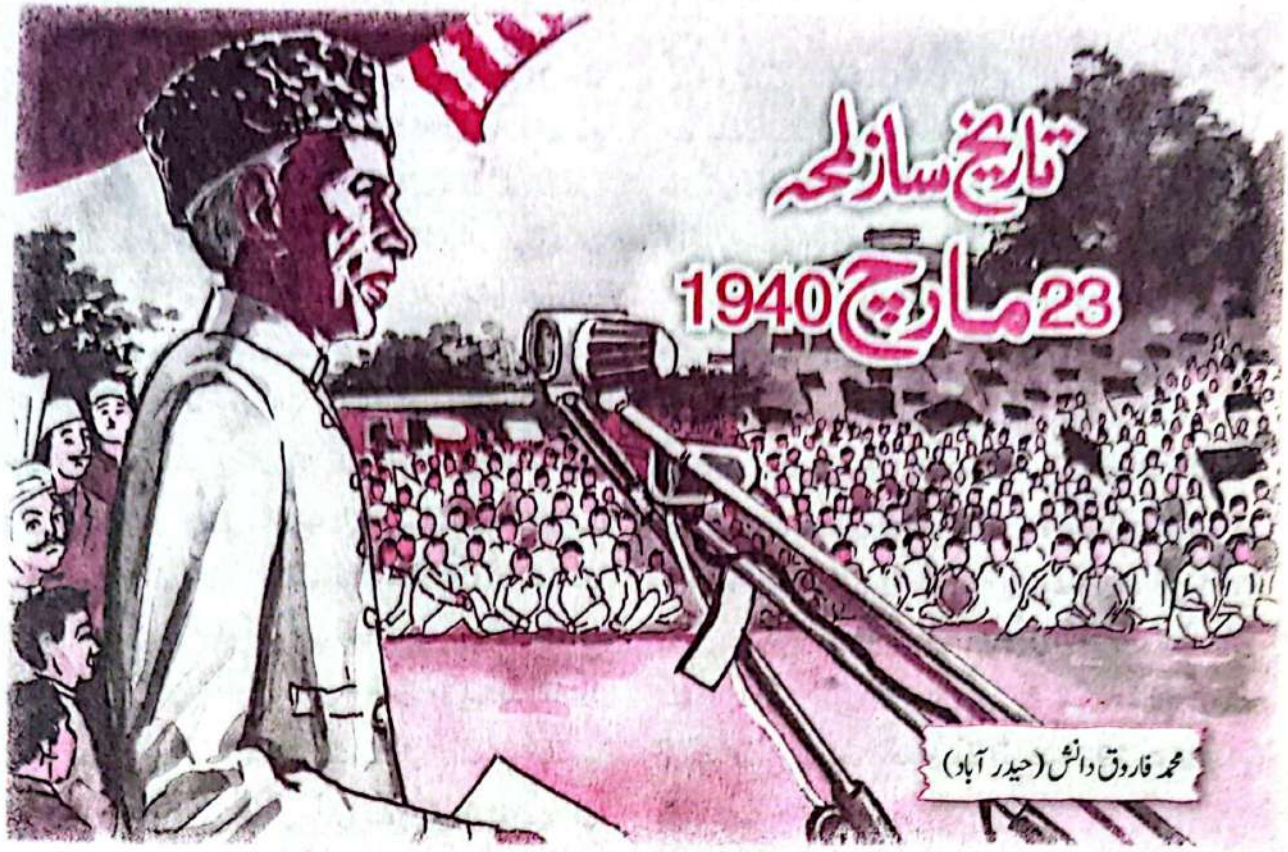

تاریخ ساز لمحہ
23 مارچ 1940

محمد فاروق دانش (حیدر آباد)

کون نہیں جانتا کہ مسلمان صدیوں تک برصغیر پر حکمران رہے تھے، لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مغلیہ دور کے آخری سالوں میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت اپنا قبضہ اور اثر جما چکے تھے۔ مسلمان حکم ران اپنے ہی لوگوں کی سازشوں میں الجھتے چلے گئے اور انہیں یہ علم ہی نہ ہو سکا کہ کب ان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔

اب حکم ران مصائب کا شکار ہو چکے تھے۔ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ وہ اپنے ہی وطن میں بیگانے ہو چکے تھے۔ وہ ایک عرصہ تک غلامی کی زندگی گزر بسر کرتے رہے۔ انگریزوں نے یہاں کے مکینوں کو تہی دست کر کے رکھ دیا تھا۔ انہیں اپنی مذہبی اقدار بنھانے تک کی آزادی نہ تھی۔

1857ء تک ہندوستانیوں کی غیرت نے جوش مارا تو انہوں نے انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی، لیکن افرادی قوت کی کمی، غلط منصوبہ بندی اور راہ نماؤں کے فقدان نے اس کوشش کو ناکامی سے دو چار کر دیا۔ اس کے بعد تو جیسے مسلمانوں کی شامت آگئی اور انگریزوں نے ان کے خلاف گھیرا مزید تنگ کرنا شروع کر دیا۔ سر سید احمد خان وہ مصلح تھے، جن کے دل میں مسلمانوں کے لیے درد اور خون میں تڑپ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار بحال ہو اور وہ معاشرے میں سر اٹھا کر جی سکیں۔ آپ نے مسلمانوں کے لیے ایک طرف محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی کی بنیاد رکھی تو دُوسری طرف اُن کی اخلاقی تربیت کے لیے رسالہ "تہذیب الاخلاق" بھی جاری کیا۔ یہی سر سید احمد خان تھے جنہوں نے مسلمانوں کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے یہ برملا کہا کہ ہندوٴ اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں، ان کا رہن سہن، ان کی مذہبی اقدار، ان کی تہذیب سب کچھ جدا جدا ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک گدی پر بیٹھ کر باہم حکومت کر سکیں۔

اپنے لیڈر کی اس انداز کی باتوں نے عوام کے دل میں ایک جوش، امنگ اور ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا۔ ان کے دلوں میں جینے کی امنگ پیدا ہو گئی وہ اب اس بات کی آرزو کرنے لگے کہ ان کا اپنا ایک الگ وطن ہو، جہاں وہ اپنی مذہبی روایات

کے ساتھ آزادانہ زندگی گزار سکیں۔ سر سید کی اسی سوسائٹی نے 1906ء میں مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا، جس نے پاکستان کے قیام میں بھرپور خدمات انجام دیں۔

مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس 1907ء میں کراچی میں ہوا۔ اِس اجلاس میں ہندوستان بھر کے سرکردہ مسلمان راہ نماؤں نے شرکت کی۔ اس اجلاس کے تحت مسلم لیگ کی کئی شاخیں ہندوستان کے تمام شہروں اور صوبوں میں فعال کر دی گئیں اور آزادی کے لیے گوشاں ہو گئیں۔ لندن میں قائم ہونے والی لیگ کے نمائندوں نے جب وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملاقات کی تو اس میں مسلمانوں کی الگ قوم کی حیثیت سے شناخت کا مطالبہ دھرایا گیا۔ اس جدوجہد کا یہ فائدہ ہوا کہ 1909ء میں مجلسِ قانون ساز میں مسلمان کو ایک جدا قوم کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لینے کا حق دے دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کی ایک واضح فتح تھی، جس نے انہیں اپنے لیے صحیح سمت کے انتخاب میں بھرپور مدد کی۔

مسلم لیگ پر جنگ عظیم اول کے دوران کچھ عرصے کے لیے جمود بھی طاری ہوا، لیکن قائد اعظم نے اس تحریک کو غیر فعال نہ رہنے دیا۔ 1916ء میں میثاق لکھنو کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ نے کئی اہم فیصلے کیے جس کے ضمن میں تجویز کیا گیا کہ مرکزی قانون ساز ادارے میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی دی جائے گی۔ اور مسلمانوں کا انتخاب بھی مسلمانوں کے ذریعے کرایا جائے گا۔

جب 1919ء میں قانونِ ہند کا نفاذ کیا گیا تو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ہندوستانی ممبران کی تعداد بڑھاتے ہوئے مسلمان کے جداگانہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ جب مولانا محمد علی جوہر، تحریک کے لیے فعال ہوئے تو انہوں نے 21 مارچ 1920ء میں پیرس میں پوری دُنیا کے سامنے اپنے موقف کا برملا اظہار کیا۔ اکتوبر 1920ء میں ہی ایک معاہدے کے تحت سلطنت عثمانیہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے باوجود کانگریس لیڈروں کی عدم تعاون تحریک جاری رہی تو محمد علی جوہر نے اعلان کیا کہ اب وہ باقاعدہ سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے۔ ان کا پروگرام تھا کہ حکومت کی جانب سے ملنے والے تمام اعزازات واپس کر دیئے جائیں، سرکاری ملازمتیں چھوڑ دی جائیں، تعلیمی اداروں سے مسلمان طلبہ وطالبات کو اٹھا لیا جائے اور آئندہ انتخابات میں حصہ نہ لیا جائے۔

قائد اعظم اس اثنا میں دل برداشتہ ہو کر کانگریس سے مزید اتحاد کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ گاندھی مکمل طور پر غلط رش پر چل رہے ہیں اور اب ہم مزید ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جولائی 1921ء میں کراچی میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں خلافت کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ وہاں کئی سخت قراردادیں پیش کی گئیں۔ جس کے جواب میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی سمیت کئی اہم راہ نما گرفتار کیے گئے اور انہیں قید کی سزا سنائی گئی۔ تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ عدم تعاون کے اثرات 1921ء تا 1924ء باقی رہے۔

مئی 1924ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تو اس میں لیگ کی کارکردگی کا بھرپور جائزہ لیا گیا۔ 20مارچ 1927ء کو قائد اعظم کی زیر صدارت دہلی میں ایک اجلاس ہوا۔ اُس میں مسلمانوں کے حقوق کے لیے چند سفارشات مرتب کی گئیں۔ 1929ء میں قائد اعظمؒ نے مسلمان راہ نماؤں کے مشورے سے اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے۔ ان نکات میں سب سے اہم نکتہ مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی رکھنے اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب حصہ دینے کا تھا۔ 29 دسمبر 1930ء کو الٰہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ تاریخی اجلاس ہوا، جس کی صدارت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے کی اور مسلمانوں کے مقدر کی نشان دہی کی۔ علامہ کے خطبہ الٰہ آباد سے جب مسلمانوں کا نصب العین واضح ہو چکا تو اسلامی ریاست میں شامل ان مجوزہ صوبوں کی مناسبت سے چودھری رحمت علی نے 1933ء میں لفظ پاکستان وضع کیا۔

مسلمانوں کے اُبھرتے ہوئے جذبات نے راہ نماؤں کو مزید پُر جوش کر دیا تھا۔ مسلم لیگ، قائد اعظم کی سرکردگی میں میدان میں اُتر چکی تھی۔ اقبال، مسلم جماعت کو طوفانِ بلا سے

بچانے کے لیے قائد کے ساتھ پوری طرح شامل تھے۔ سب اقبال کے خواب کی تعبیر دیکھ رہے تھے۔ اب ایک تاریخی اجلاس 22 تا 24 مارچ 1940ء کو لاہور میں ہونا قرار پایا تھا۔ قائد کا کہنا تھا کہ یہ اجلاس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک نیا باب رقم کرے گا۔

23 مارچ 1940ء کا دن اپنی اہمیت اور شان و شوکت کے حساب سے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک تاریخی دن تھا۔ اُس دن قائد کی صدارت میں ایک کھلے اجلاس کی ایک قرار داد کے ذریعے یہ اعلان کیا گیا کہ مسلمانانِ ہند کا یہ نصب العین ہے کہ وہ ان علاقوں میں جہاں ان کی اکثریت ہے، اپنی آزاد اور جداگانہ حکومت قائم کریں گے جہاں نہ انگریزوں کا عمل دخل ہو گا اور نہ ہندوؤں کا۔ یہ قرار داد مولوی فضل الحق نے پیش کی اور اسے فوری منظور کر لیا گیا۔ اس قرار داد میں یہ واضح کیا گیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا دو مذاہب سے تعلق ہے۔ ان کی رسومات جدا، ان کا رہن سہن الگ، ان کی معاشرتی اقدار مختلف، دو مختلف تہذیبوں کا ملاپ نہیں ہو سکتا۔ یوں مسلمان ہر صورت اور ہر لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں اور ان کے رہنے کے لیے اپنا ایک الگ وطن ہونا چاہیے۔

قرار دادِ لاہور جو بعد میں قرار دادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی اس کے پیش کیے جانے کے بعد مخالفتوں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہوا اور یہ 14 اگست 1947ء تک برقرار رہا، لیکن مسلم لیگ کے سرکردہ راہ نما اور مسلمان اپنے عظیم قائد کی سربراہی میں منظم و متحد ہو چکے تھے۔ اب وہ ٹھان چکے تھے کہ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ، ہر دیوار کو گرا کر گزرتے چلے جائیں گے اور پھر پوری دُنیا نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے لیے ایک علیحدہ ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان لے کر سرخرو اور کام یاب ہوئی۔ اس کام یابی کا سہرا قائد اعظم، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، سرسید احمد خان، مولانا شوکت علی اور دیگر رہنماؤں کے سر ہے۔ پاکستان زندہ باد

☆☆

واقعاتِ قائد اعظمؒ

☆ قائد اعظمؒ اصول پسندی اور نظم و ضبط کے ساتھ ساتھ دیانت کے معاملہ میں بھی بے مثال تھے۔ ایک دفعہ بمبئی کا ایک سیٹھ ایک مقدمے میں پھنس گیا۔ وہ قائد اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مقدمے کے مختصر واقعات بیان کرنے کے بعد قائد اعظمؒ سے فیس کے بارے میں دریافت کیا تو قائد اعظمؒ نے کہا۔

"آپ سے پانچ سو روپے یومیہ کے حساب سے فیس لی جائے گی۔"

"جناب عالی! میرے پاس صرف پانچ ہزار روپے ہیں، اس رقم میں آپ کی فیس پوری ہو جائے گی یا نہیں؟"

قائد اعظمؒ نے جواب دیا: "مجھے یہ منظور نہیں، میں تو پانچ سو روپے یومیہ سے کم فیس ہرگز نہیں لوں گا۔"

آخر کار سیٹھ نے قائد اعظمؒ کی بات مان لی۔ قائد اعظمؒ نے تین دن میں مقدمہ جیت لیا اور اپنی فیس کے پندرہ سو روپے رکھنے کے بعد باقی رقم واپس کر دی۔

☆ دسمبر 1940ء میں قائد اعظمؒ "وائسرائے ہند اور کانگریسی لیڈروں کے ہمراہ لندن گئے تو انہوں نے مختلف موقعوں پر برطانوی سیاست دانوں اور پریس کے سامنے پاکستان کا کیس بڑے مدلل اور پُر زور انداز میں پیش کیا۔ ایک پریس کانفرنس کے دوران کسی اخباری نمائندے نے سوال کیا۔

"آپ کبھی خود بھی کانگریس میں شامل تھے؟" قائد اعظمؒ نے بے ساختہ جواب دیا۔ "جی ہاں، میرے دوست! کبھی میں پرائمری جماعت کا طالب علم بھی ہوا کرتا تھا۔" اتنا مستند جواب سن کر مذکورہ نمائندہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا جب کہ باقی لوگ اس ذہانت بھرے جواب سے بے حد محظوظ ہوئے۔

دردِ دل

حسن ذکی کاظمی (لاہور)

کرسمس میں ابھی چار دن باقی تھے۔ امین اپنی لینڈ لیڈی کو جو اُس کی رشتہ دار بھی تھیں، ساتھ لے کر سینٹ الارنس ہسپتال پہنچا۔ یہ ہسپتال لندن سے تقریباً بیس میل دُور تھا اور اس میں صرف ایسے مریض زیرِ علاج تھے جو ذہنی طور پر معذور تھے۔ ہسپتال کو کرسمس کی وجہ سے خوب سجایا گیا تھا۔ بجلی کے رنگین قمقمے، رنگ برنگے غبارے اور سنہری رو پہلی جھالریں ہر طرف بڑی خوب صورتی سے لگائی گئی تھیں۔

امین اپنی بیوی اور رشتہ دار خاتون کو جنہیں وہ آپا کہتا تھا ساتھ لئے عمارت کے اندر داخل ہوا اور یہ تینوں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس وارڈ میں پہنچے جس میں آپا کا جوان معذور بیٹا داخل تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ان کے بیٹے عامر کی عمر کا زیادہ حصہ اسی ہسپتال میں گزرا تھا۔ آپا عامر سے ملنے ہر ہفتے ہسپتال جاتی تھیں اور یہ ذمہ داری امین نے اپنے سر لی ہوئی تھی کہ وہ انہیں بیٹے سے ملوانے ہسپتال لایا کرے گا۔ آپا کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی کوئی اور اولاد بھی نہ تھی لہٰذا امین اور اس کی بیوی اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ انہیں اپنی گاڑی میں عامر سے ملوانے لائیں۔

امین وارڈ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اُس کی نظر ساٹھ پینسٹھ سال کے اس شخص پر پڑی جسے وہ اکثر اس وارڈ میں دیکھتا تھا۔ یہ شخص پہلے ایک جوان مریض کے ساتھ نظر آتا تھا، لیکن کچھ دنوں سے امین اُسے نوجوان مریضوں کی ایک ٹولی میں گھرا ہوا دیکھ رہا تھا اور وہ نوجوان دکھائی نہ دیتا تھا جس سے وہ پہلے ملنے آتا تھا۔ آج بھی وہ صوفے پر بیٹھا تھا اور بہت سے مریض اُسے گھیرے ہوئے تھے۔ میز پر چھوٹے پیکٹوں کا ایک ڈھیر تھا جس میں کرسمس کے تحفے بند تھے۔ وارڈ کی ایک نرس اس شخص کے پاس بیٹھی اُس سے باتیں کر رہی تھی۔ چند لمحے بعد نرس نے ایک ایک کر کے اس شخص کو مریضوں کے نام بتانا شروع کئے اور وہ تحفوں کے پیکٹوں پر یہ نام لکھنے لگا۔

اِدھر آپا، امین اور اس کی بیوی عامر کو پھل اور چپس کھلانے اور اس سے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ جوانی کے باوجود عامر کی سمجھ بوجھ سال ڈیڑھ سال کے بچے سے زیادہ نہ تھی لہٰذا نہ وہ باتوں کو سمجھ پاتا تھا اور نہ بول سکتا تھا، لیکن آپا ماں تھیں، ظاہر ہے اُن کا دل تو بیٹے سے باتیں کرنے کو تڑپتا ہوگا۔ وہ اس سے اس طرح پیار کی باتیں کرتیں اور اُس کو ایسے لاڈ کرتیں جیسے وہ سب جانتا اور سمجھتا ہو۔ اُس وقت امین اور اس کی بیوی کو ان کے چہرے پر ایسی خوشی نظر آتی، ایسا سکون نظر آتا جو گھر میں ہفتے بھر تک دیکھنے میں نہ آتا تھا۔ اور ان کے چہرے پر یہ خوشی اور سکون دیکھ کر امین اور اس کی بیوی

اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اُس نے انہیں یہ توفیق دی کہ وہ ان کے اس خوشی اور سکون کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

یہ لوگ عامر سے باتیں کرنے اور اس کی خاطر کرنے میں مصروف تھے کہ ایک نرس قریب سے گزری جس سے ان کی اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی۔ گزرتے ہوئے اُس نے مسکرا کر ان لوگوں کو 'ہیلو" کہا اور خیریت پوچھی۔ امین کی بیوی فریدہ نے اسے پاس آنے کا اشارہ کیا اور جب وہ قریب آئی تو اس سے پوچھا۔

"مونا! یہ صاحب جو سامنے مریضوں میں بیٹھے ہیں یہ کون ہیں؟ انہیں اکثر دیکھا ہے، لیکن ہم انہیں جانتے نہیں۔"

مونا حیران ہو کر بولی۔

"اچھا! میرا خیال تھا آپ لوگوں کا ان سے تعارف ہوگا۔ ان کا نام مائیکل ہے۔ مائیکل ڈیوڈ، یہ کتابوں اور اسٹیشنری کا بزنس کرتے ہیں۔ ان کا بیٹا ڈیوڈ اس وارڈ میں داخل تھا۔ پانچ مہینے پہلے اُس کا انتقال ہو گیا تھا۔ کچھ دن تو مائیکل نہیں آئے لیکن پھر یہ ہوا کہ ایک دن وہ ہم سب سے ملنے آئے اور پھر کبھی کبھی چکر لگانے لگے۔ آیئے میں آپ کا ان سے تعارف کرا دوں۔"

آپا تو عامر کو سلاد کھلانے میں مصروف تھیں۔ امین اور فریدہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مونا کے ساتھ مائیکل کے پاس گئے۔ مونا نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"مائیکل! یہ امین اور فریدہ ہیں۔ یہ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے سوچا آپ کا تعارف کرا دیا جائے۔"

مائیکل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے امین سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ہم ایک دُوسرے کو کافی دن سے دیکھ تو رہے تھے لیکن ملے نہیں تھے، تمہارا شکریہ کہ آج تم نے ہماری ملاقات کرا دی۔"

مونا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ مائیکل نے امین اور فریدہ سے کہا۔

"میں نے کرسمس کے تحفوں پر نام لکھ لیے ہیں، اب میں فارغ ہوں۔ چلیے کیفے ٹیریا میں چل کر بیٹھتے ہیں، کچھ دیر آپ سے باتیں ہو جائیں گی۔"

امین نے کہا: "خیال اچھا ہے۔" پھر اس نے آپا کو بھی دعوت دی لیکن وہ عامر کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھیں لہٰذا امین، فریدہ اور مائیکل کیفے ٹیریا کی طرف چل پڑے۔ دیر تک چائے کا دور چلتا رہا اور خوب باتیں ہوئیں۔

مائیکل نے بتایا کہ ان کے تین بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹا بیٹا ڈیوڈ ذہنی طور پر معذور تھا، وہ کافی عرصے اس ہسپتال میں داخل رہا۔ ہسپتال والوں نے اس کی بہت دیکھ بھال اور خدمت کی۔ پچھلے دنوں وہ جگر کے کینسر میں مبتلا ہوا اور کچھ دن بیمار رہ کر دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ ڈیوڈ کے مرنے کا مائیکل کو بے حد صدمہ ہوا۔ دونوں بڑے بیٹے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ گئے تھے۔ پھر شادی کے بعد وہ اور بھی مصروف ہو گئے تھے۔ لہٰذا مائیکل کو جب بھی اپنے اسٹور کے کاموں سے فرصت ملتی، وہ کافی وقت ڈیوڈ کے ساتھ گزارتے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد انہیں یوں لگا جیسے وہ اکیلے رہ گئے ہیں۔ ہسپتال آنے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

دونوں میاں بیوی مائیکل سے باتیں کرنے میں ایسے لگے کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

یہ لوگ جب عامر سے ملنے ہسپتال جاتے تو اکثر مائیکل سے ملاقات ہو جاتی۔ امین اور فریدہ حیران تھے کہ بیٹے کے مرنے کے بعد آخر مائیکل کو اس ہسپتال سے ایسی کیا دلچسپی ہے کہ وہ یہاں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ آپا کے دل میں بھی یہی بات تھی۔ ایک دن وہ امین سے کہنے لگیں۔

"ان صاحب کا بیٹا تو مر گیا۔ پھر یہ اتنی پابندی سے کیوں یہاں آتے ہیں؟ ان کے پاس بڑا فالتو وقت ہے۔"

امین بولا: "آپا! یہ تو ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ جہاں چاہیں آئیں۔"

آپا امین کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئیں۔ فریدہ سے کہنے لگیں۔ "یہ امین تو ہمیشہ سے الٹی الٹی باتیں کرتا ہے۔

فریدہ تو پوچھ ان بڑے میاں سے کہ وہ کیوں ہسپتال آتے ہیں؟"

اور پھر آپا کے اکسانے پر ایک دن فریدہ نے پوچھ ہی لیا۔

"مسٹر ڈیوڈ! آپ کا خاصا وقت اس ہسپتال میں لگ جاتا ہے۔ آپ تو اپنے بیٹے کی وجہ سے یہاں آتے تھے، تو اب؟ میرا مطلب ہے کہ....."

فریدہ اپنا جملہ پورا نہیں کر پا رہی تھی۔ مائیکل اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ آیئے کیفے ٹیریا چلتے ہیں وہاں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔"

کیفے ٹیریا میں مائیکل نے اپنی کہانی شروع کی۔ "بات یہ ہے کہ ڈیوڈ کے انتقال کے بعد مجھے اس ہسپتال سے کوئی خاص دلچسپی نہ رہی۔ میں نے یہاں آنا بھی چھوڑ دیا۔ کوئی ڈیڑھ مہینہ گزرا ہو گا کہ ایک دن میں نے ڈیوڈ کو خواب میں دیکھا۔ یوں لگا جیسے اس کی ذہنی معذوری ختم ہو چکی ہے اور وہ مجھے گھر پر ملنے آیا ہے۔ وہ آتے ہی مجھ سے شکایت کرنے لگا۔

"ڈیڈی! کئی ہفتے گزر گئے۔ آپ مجھ سے ملنے ہسپتال نہیں آئے؟"

میں نے بڑی محبت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے چوما اور کہا۔

"ڈیوڈ! تم تو اب وہاں نہیں رہتے، میں کس سے ملنے آؤں؟"

ڈیوڈ زور سے ہنسا اور بولا۔

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں وہاں نہیں رہتا؟ آپ وہاں آیئے۔ میرے دوستوں سے ملیں، ڈاکٹروں اور نرسوں سے ملیں، ان سے باتیں کیجئے۔ آپ مجھے وہیں پائیں گے۔"

یہ خواب دیکھنے کے بعد میرا دل بے اختیار چاہا کہ میں جلد سے جلد ہسپتال پہنچ جاؤں۔ دُوسرے دن میں نے اُس وارڈ میں فون کیا جہاں ڈیوڈ داخل تھا اور ان سے اجازت چاہی کہ میں ہسپتال آنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا ضرور آؤ۔ ہمیں تم سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔ بس تھوڑی دیر بعد میں ہسپتال پہنچ گیا۔ اسٹاف کے لوگ مجھ سے مل کر واقعی بہت خوش ہوئے۔ وہ دیر تک مجھ سے ہمدردی کرتے رہے اور یہ اصرار کرتے رہے کہ میں اکثر ان سے ملنے آتا رہوں۔ پھر میں وارڈ

کے مریضوں سے ملا۔ وہ ذہنی طور پر معذور تو ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مجھے فوراً پہچان گئے۔ وہ سب میرے گرد جمع ہو گئے اور اپنی عقل کے مطابق کسی نے اشارے سے ہیلو کہا، کسی نے ہاتھ ملایا اور کسی نے ایک دو باتیں بھی کرلیں۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور وہ سب بھی قریب بیٹھ گئے۔ میں ان کے لیے چوکلیٹ لے کر گیا تھا۔ چوکلیٹ انہیں دی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اشاروں اور لفظوں میں ان سے خوب باتیں ہوئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے ڈیوڈ بھی وارڈ میں موجود ہے اور ان مریضوں کے ساتھ وہ بھی مجھ سے باتیں کر رہا ہے، کھیل رہا ہے..... میں سوچنے لگا واقعی ڈیوڈ نے خواب میں ٹھیک ہی کہا تھا کہ ڈیڈی آپ ہسپتال آئیں گے تو مجھے وہاں پائیں گے..... اُس دن کے بعد میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہسپتال آنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں ڈیوڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سب نوجوان مجھے ڈیوڈ کی طرح لگنے لگے۔ میری اُن میں دلچسپی بڑھتی گئی۔ ان سے محبت محسوس ہونے لگی۔ میں نے سوچا آخر یہ بھی تو انسان ہیں۔ اگر ان میں ہمارے جیسا شعور نہیں، ہماری جیسی سمجھ نہیں تو اِس میں ان کا کیا قصور ہے۔ پھر مجھے ڈاکٹر ولسن کی بات یاد آئی۔ ایک دن انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں ان مریضوں سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیا معلوم ہماری توجہ، ہماری محبت اور ہماری تربیت ان میں ذرا سا احساس اور شعور پیدا کر دے اور یہ ایک بہتر زندگی گزار سکیں۔"

مائیکل کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہو گئے۔ فریدہ نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہنے لگی۔

"ہاں یقیناً ان مریضوں میں ذہنی معذوری کے باوجود تھوڑی بہت سمجھ ضرور ہوتی ہے۔ کسی میں کم، کسی میں زیادہ۔ ایسے ذہنی معذور بھی ہوتے ہیں جو آپ کو پہچانتے ہیں، کام میں آپ کی مدد کرتے ہیں، خود چھوٹے موٹے کام کر لیتے ہیں۔ آپ سے بات کر لیتے ہیں۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ انہیں معاشرے کا حصہ ہی نہ سمجھیں۔"

مائیکل کو فریدہ کی بات سن کر بڑا اطمینان ہوا اور وہ کہنے لگے۔

"بس یہی خیال مجھے یہاں لے آتا ہے۔ میرے آنے سے ان بچوں اور جوانوں کو جو خوشی ہوتی ہے وہ مجھے بڑا سکون پہنچاتی ہے۔ میں جو وقت یہاں گزارتا ہوں مجھے لگتا ہے کہ وہ وقت میں اپنے پالنے والے کی عبادت میں گزار رہا ہوں۔"

اس ملاقات کو آٹھ دس دن گزر گئے۔ پھر امین اور فریدہ آپا کو ہسپتال لے کر گئے تو مائیکل وہاں پہلے سے موجود تھے، لیکن امین اور فریدہ نے محسوس کیا کہ مائیکل کچھ پریشان اور کھوئے کھوئے سے ہیں۔ جیسے ان کے دماغ پر کوئی بوجھ ہے۔ ان دونوں نے اُن سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور مائیکل جلدی ہی وہاں سے چلے گئے۔

دو ہفتے بعد ان لوگوں کی پھر ملاقات ہوئی۔ آج مائیکل کا موڈ بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ وہ بہت خوش اور ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ جیسے ان کے دماغ پر سے وہ بوجھ بالکل ہٹ گیا ہو۔

اب امین سے نہ رہا گیا اور موقعہ پاتے ہی اس نے پوچھا۔

"مائیکل! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ پچھلی ملاقات میں آپ کس پریشانی میں مبتلا تھے اور دو ہفتے میں کیا تبدیلی آگئی ہے؟"

مائیکل دل کھول کر ہنسے اور بولے۔

"امین! بات یہ ہے کہ میری عمر اب زیادہ ہو رہی ہے لہٰذا میں نے سوچا کہ اپنی ول (وصیت نامہ) لکھوا کر اسے محفوظ کرا دوں۔ کون جانے کب بلاوا آجائے۔ میرا بزنس تو اب کچھ خاص نہیں رہا۔ دُکان بھی کرائے کی ہے۔ البتہ میرا گھر کافی بڑا ہے اور یہ جس علاقے میں ہے وہاں قیمتیں بھی بہت بڑھ گئی ہیں۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ ہسپتال والوں نے میرے بیٹے ڈیوڈ کی بہت خدمت کی ہے۔ اُس نے پوری زندگی یہاں گزاری ہے، مجھے اس کے رہنے، کھانے اور اس کی دیکھ بھال پر کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑا۔ کیا میرا یہ فرض نہیں بنتا کہ میں

ان کے اس احسان کے بدلے میں کوئی ایسا کام کروں جس سے ان مریضوں کی خدمت ہو سکے جو یہاں زندگی گزار رہے ہیں۔ بس بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اپنا گھر اس ہسپتال کو دے دوں، میں نے سوچا کہ ڈیوڈ کی روح کو سکون پہنچانے کا یہ بہترین طریقہ ہو گا، لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اس طرح میں اپنے دونوں بیٹوں کو ناراض کر دوں گا۔ بھلا وہ یہ کیسے قبول کریں گے کہ انہیں ان کے ورثے سے محروم کر کے میں اپنی ساری جائیداد ہسپتال کو دے دوں۔ پھر یہ فیصلہ کیا کہ دو حصے دو بیٹوں کو اور ایک حصہ ہسپتال کو دے دوں۔ جب آپ سے پچھلی ملاقات ہوئی ہے تو میں اسی الجھن میں گرفتار تھا اور فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ آخر میں نے اپنے بیٹوں سے ذکر کیا۔ اور میں حیران رہ گیا کہ وہ دونوں بڑی آسانی سے اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھر میرے مرنے کے بعد ہسپتال کو مل جائے۔ دونوں نے مجھ سے ایک جیسی بات کہی۔

"ڈیڈ! آپ نے ہمیں پڑھایا، لکھایا ہے۔ ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ آپ نے ہر موقعے پر ہماری مدد کی۔ اب ہم اس قابل ہیں کہ ایک اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ پھر کیا ضروری ہے کہ ہم آپ کی جائیداد کی طرف دیکھیں۔ یہ بہت اچھا خیال ہے کہ آپ گھر کو ہسپتال والوں کو بطور عطیہ دے دیں۔"

بس میرے دماغ سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا اور اسی لئے میں تمہیں آج خوش نظر آرہا ہوں۔ اس ہسپتال نے میرے بیٹے کی جو خدمت کی اس کا پورا بدلہ اتارنا تو میرے لئے ممکن نہیں، لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ میں اس ادارے کی اور ان مریضوں کی ایک معمولی سی خدمت کر سکوں۔"

یہ کہہ کر مائیکل نے اجازت چاہی اور مریضوں سے ہاتھ ملاتے اور بچوں کو پیار کرتے ہوئے وہ وارڈ سے باہر نکل گئے۔

بڑے لوگ، بڑی باتیں

☆ تین چیزیں اِنسان کو تباہ کر دیتی ہیں، لالچ، حسد اور غرور۔ (امام غزالی)

☆ اچھی کتاب سے اچھا دوست کوئی نہیں۔ (فیثا غورث)

☆ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔ (قائد اعظمؒ)

☆ عقل مند بولنے سے پہلے سوچتا ہے اور بے وقوف بولنے کے بعد سوچتا ہے۔ (حضرت حسن بصریؒ)

☆ خدا ہر پرندے کو خوراک دیتا ہے مگر اُس کے گھونسلے میں نہیں ڈالتا۔ (افلاطون)

☆ اگر مجھ سے ماں چھین لی جائے تو میں پاگل ہو جاؤں۔ (فردوسی)

☆ مجھے اُس انسان پر رشک آتا ہے جو دولت اور زمین کے بغیر خوش رہتا ہے۔ (خوشحال خان خٹک)

☆ سب سے بڑی فتح اپنے آپ کو فتح کرنا ہے۔ (افلاطون)

☆ غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔ (ارسطو)

☆ شیر خود نہیں کہتا کہ میں شیر ہوں، وہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیر ہے۔ (مستنصر حسین تارڑ)

عاتکہ اسلام شاہ، کوہاٹ

چیونٹی

نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت
ذرا سی تو جان اور اُس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت مصیبت
نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمت

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

کبھی کام تُو نے ادھورا نہ چھوڑا
کبھی تُو نے تکلیف سے منہ نہ موڑا
بہت کام تُو نے کیا تھوڑا تھوڑا
ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

جو گرمی کی رُت میں نہ کرتے کمائی
تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی
تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی
سمجھتی ہے اپنی بھلائی بُرائی

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سستی میں مہلت ہے تھوڑی
وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی
یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چیونٹی

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

اسماعیل میرٹھی

آفریں: شاباش
جاڑا: سردی
رُت: موسم

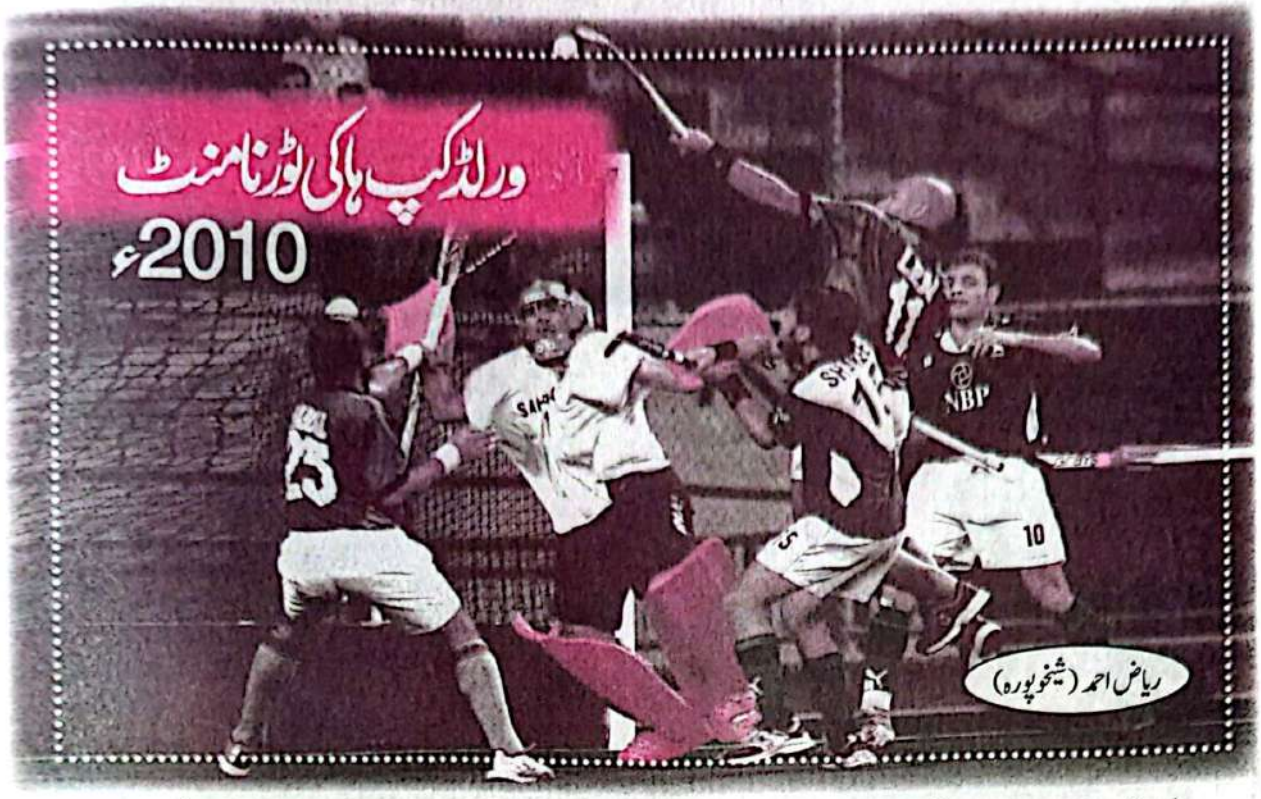

ہاکی تقریباً سو سال پرانا کھیل ہے، ابتداء میں یہ صرف برطانیہ تک محدود تھا۔ ۱۹۰۰ء میں عالمی ہاکی بورڈ قائم ہوا، جس نے کھیل کے قواعد وضوابط مرتب کیے۔ ۱۹۰۸ء میں اسے اولمپک کھیلوں میں شامل کیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ کھیل تمام یورپ اور ایشیاء میں پھیل گیا۔ برطانیہ کے بعد ہالینڈ پہلا یورپی ملک تھا، جس نے اسے اپنایا اور وہاں عالمی ہاکی فیڈریشن قائم ہوئی، اور ۱۹۴۷ء میں یہ فیڈریشن عالمی بورڈ کا ایک حصہ بن گئی۔ اس بورڈ کے منظور شدہ قوانین دُنیا بھر میں یکساں ہیں۔

ہاکی کی ٹیم گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے، جن میں ایک گول کیپر، دو فل بیک، تین ہاف بیک اور پانچ فارورڈ ہوتے ہیں۔ ایک میچ پینتیس پینتیس منٹ کے دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ درمیانی وقفے کے بعد جو دس منٹ کا ہوتا ہے دونوں ٹیمیں اپنے گول بدل لیتی ہیں۔

ہاکی کا میدان مستطیل شکل کا ہوتا ہے، جس کی لمبائی سو گز اور چوڑائی پچپن سے ساٹھ گز ہوتی ہے۔ میدان میں نشانات لگائے جاتے ہیں۔ لمبی لائنیں لائنز کہلاتی ہیں اور چھوٹی گول لائنز۔ ایک لائن میدان کے درمیان میں ہوتی ہے، جو سینٹر لائن کہلاتی ہے اس کے علاوہ دو پچیس پچیس گز کی لائنیں ہوتی ہیں جو پچیس گز لائن کہلاتی ہیں اور سینٹر لائن سے پچیس گز کے فاصلے پر ہوتی ہیں۔ سائیڈ لائنز کے متوازی اندر کی طرف سات گز کے فاصلے پر سات گز لائن ہوتی ہے۔

گول دو عمودی لوہے کے پائپوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا درمیانی فاصلہ چار گز ہوتا ہے۔ یہ پائپ ایک مدور پائپ کے ذریعے جڑے ہوتے ہیں جن کی زمین سے بلندی سات فٹ ہوتی ہے۔ ہر گول کے پیچھے ایک جال اور نیچے لکڑی کا ایک تختہ لگا دیا جاتا ہے، جس کی زمین سے بلندی اٹھارہ انچ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ گول کرنے والا نصف دائرہ چار گز لمبا اور گول کے سامنے سولہ گز کے فاصلے پر ہوتا ہے۔ میدان کے چار کونوں اور سینٹر لائن اور پچیس گز لائن پر چار چار فٹ اونچی سرخ جھنڈیاں لگا دی جاتی ہیں۔

ہاکی کی گیند سفید ہوتی ہے اور اُس کا وزن ۲/۱-۵ اونس سے کم اور پونے چھ اونس سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اور محیط سوا نو انچ سے زیادہ نہ ہو۔ ہاکی اسٹک کے سرے پر مارنے والا ایک چپٹا حصہ ہوتا ہے۔ اس کے سرے پر کوئی دھات یا کوئی نوکیلی چیز نہیں ہونی چاہیے۔ معیاری اسٹک کا کم سے کم وزن

بارہ اونس اور زیادہ سے زیادہ اٹھائیس اونس ہونا چاہیے۔ کھلاڑی کے جوتے بغیر کیلوں کے ہونے چاہئیں۔

گیند کو کھیلنے کے لیے اسٹک کا صرف اگلا چپٹا حصہ استعمال کیا جاتا ہے اور اگر گیند ہوا میں کندھے سے اُوپر ہو تو اسے اسٹک سے نہیں روکا جا سکتا۔ ایمپائر کو اجازت ہے کہ اگر خطرناک ہٹ ماری جائے تو وہ کھلاڑی کو سزا دے۔ گیند کو اسٹک کے ذریعے سکوپ کیا جا سکتا ہے۔ حریف کھلاڑی کو مارنے، دھکا دینے، پکڑنے یا اس کی اسٹک کے راستے میں مداخلت بھی ممنوع ہے۔

گول کیپروں پر، جب وہ اپنے دائرے کے اندر کھڑے ہوں، ان قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ گیند کو اپنے جسم کے کسی حصے سے روک سکتے ہیں اور ٹھوکر بھی مار سکتے ہیں۔

اگر گیند کو دائرے کے اندر سے اس طرح مارا جائے کہ وہ گول لائن اور مدور پائپ کے نیچے سے گزر جائے تو گول ہو جاتا ہے۔ اگر کسی ٹیم کا کھلاڑی گیند کو اپنے ہی گول میں ڈال دے تو مخالف ٹیم کو کارنر ملے گا۔

ہاکی کے قوانین میں کارنر، آؤٹ آف سٹرائیکنگ سرکل اور پینالٹی کارنر شامل ہیں، جو کسی اصول کی خلاف ورزی کرنے والی ٹیم کی مخالف ٹیم کو ملتے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا قیام علم میں آیا تو ہندوستان کی ہاکی ٹیم دو حصوں میں بٹ گئی۔ اب دونوں ملکوں کی ٹیموں نے ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کی کیوں کہ سابقہ مشترکہ کام یابیوں پر دونوں ٹیمیں دعویٰ کر رہی تھیں۔ ۱۹۵۶ء میں ملبورن میں ۱۶ ویں اولمپک کھیلیں منعقد ہوئیں تو پاکستان نے پہلی مرتبہ نقرئی تمغہ حاصل کیا اور دُوسرے نمبر پر رہا۔ اس کی کامیابی سے کھلاڑیوں کی کافی حوصلہ افزائی ہوئی۔

ورلڈ کپ کے مقابلوں کا آغاز پاکستان کی تجویز پر ۱۹۷۱ء میں کیا گیا۔ یہ مقابلے ہر چار سال کے بعد منعقد ہوتے ہیں۔ اب تک گیارہ ہاکی ورلڈ کپ کھیلے جا چکے ہیں، ان کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

سال	کپ	ملک	فاتح
۱۹۷۱ء	پہلا	سپین	پاکستان
۱۹۷۳ء	دوسرا	ہالینڈ	ہالینڈ
۱۹۷۵ء	تیسرا	ملایشیا	بھارت
۱۹۷۸ء	چوتھا	ارجنٹائن	پاکستان
۱۹۸۲ء	پانچواں	بھارت	پاکستان
۱۹۸۶ء	چھٹا	برطانیہ	آسٹریلیا
۱۹۹۰ء	ساتواں	پاکستان	ہالینڈ
۱۹۹۴ء	آٹھواں	آسٹریلیا	پاکستان
۱۹۹۸ء	نواں	ہالینڈ	ہالینڈ
۲۰۰۲ء	دسواں	ملایشیا	جرمنی
۲۰۰۶ء	گیارہواں	جرمنی	جرمنی

بارہواں عالمی ہاکی کپ 28 فروری سے 13 مارچ 2010ء تک بھارتی شہر دہلی میں کھیلا جائے گا۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان کو پول "بی" میں رکھا گیا ہے، اس سے پہلے پاکستان نے تمام ورلڈ کپ ٹورنامنٹس میں شرکت کی ہے، جس میں پاکستان چار مرتبہ گولڈ میڈل اور ایک سلور میڈل جیتنے میں کامیاب ہوا۔ پہلا ورلڈ کپ 1971ء میں بارسلونا میں کپتان خالد محمود کی سربراہی میں جیتا۔ دُوسرا ورلڈ کپ 1978ء میں بوینس آئرز میں اصلاح الدین کی سربراہی میں جیتا، تیسرا ورلڈ کپ 1982ء میں بمبئی میں کپتان اختر رسول کی قیادت میں جیتا اور 1994ء میں آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں چوتھی بار ورلڈ کپ کا ٹائٹل کپتان شہباز سینئر کی سربراہی میں اپنے نام کیا تھا۔ فائنل میں پاکستان نے ہالینڈ کو پینلٹی اسٹروک پر منصور احمد کے عمدہ کھیل سے شکست دی تھی۔

بارہویں ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں پاکستان ہاکی ٹیم کی قیادت ذیشان اشرف کریں گے جب کہ دیگر کھلاڑیوں میں گول کیپر ناصر احمد اور سلمان اکبر، فل بیکس ذیشان اشرف، سہیل عباس اور محمد راشد، محمد عرفان، وسیم احمد، محمد عمران، فریداحمد اور سجاد انور، فارورڈز ریحان بٹ، شکیل عباسی، عبدالحسیم خان، محمد زبیر، اختر علی، عمر بھٹہ، عباس حیدر اور

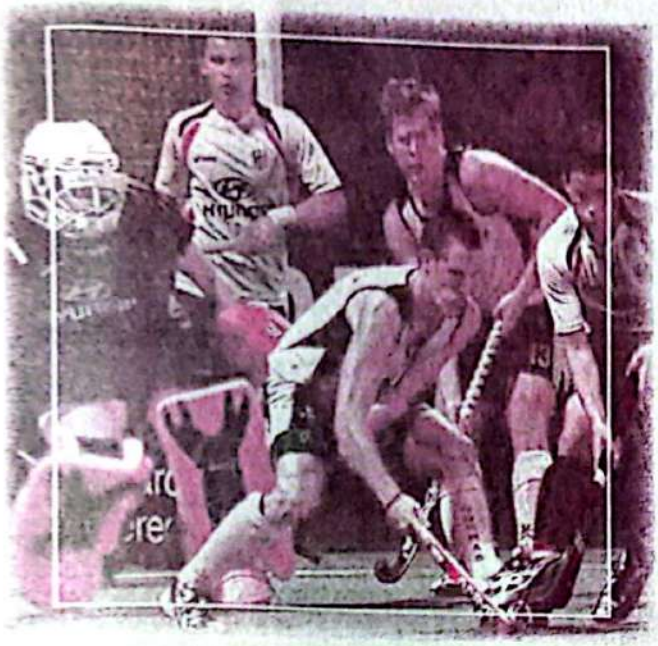

محمد رضوان شامل ہیں۔

عالمی ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں 12 ممالک کی ہاکی ٹیمیں شرکت کریں گی۔ جنہیں دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

گروپ اے

ارجنٹائن۔ کینیڈا۔ جرمنی۔ کوریا۔ ہالینڈ۔ نیوزی لینڈ

گروپ بی

پاکستان۔ بھارت۔ انگلینڈ۔ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ۔ سپین۔

ٹورنامنٹ کا آغاز 28 فروری 2010ء سے ہو گا اور ہر روز 3 گروپ میچ کھیلے جائیں گے۔

ورلڈ کپ ہاکی ٹورنامنٹ 2010ء کا شیڈول

جنوبی افریقہ بمقابلہ سپین	28فروری	جرمنی بمقابلہ ارجنٹائن	5مارچ
آسٹریلیا بمقابلہ انگلینڈ	28فروری	آسٹریلیا بمقابلہ سپین	6مارچ
پاکستان بمقابلہ بھارت	28فروری	پاکستان بمقابلہ جنوبی افریقہ	6مارچ
نیوزی لینڈ بمقابلہ کینیڈا	یکم مارچ	بھارت بمقابلہ انگلینڈ	6مارچ
جرمنی بمقابلہ کوریا	یکم مارچ	انگلینڈ بمقابلہ کوریا	7مارچ
ارجنٹائن بمقابلہ ہالینڈ	یکم مارچ	نیوزی لینڈ بمقابلہ ارجنٹائن	7مارچ
جنوبی افریقہ بمقابلہ انگلینڈ	2مارچ	جرمنی بمقابلہ ہالینڈ	7مارچ
پاکستان بمقابلہ سپین	2مارچ	سپین بمقابلہ انگلینڈ	8مارچ
بھارت اور آسٹریلیا	2مارچ	پاکستان بمقابلہ آسٹریلیا	8مارچ
جرمنی بمقابلہ کینیڈا	3مارچ	بھارت بمقابلہ جنوبی افریقہ	8مارچ
ارجنٹائن بمقابلہ کوریا	3مارچ	جرمنی بمقابلہ نیوزی لینڈ	9مارچ
نیوزی لینڈ بمقابلہ ہالینڈ	3مارچ	ہالینڈ بمقابلہ کوریا	9مارچ
جنوبی افریقہ بمقابلہ آسٹریلیا	4مارچ	کینیڈا بمقابلہ ارجنٹائن	9مارچ
پاکستان بمقابلہ انگلینڈ	4مارچ	سیمی فائنلز	
بھارت بمقابلہ سپین	4مارچ	11مارچ 2010ء	
کوریا بمقابلہ نیوزی لینڈ	5مارچ	فائنل	
کینیڈا بمقابلہ ہالینڈ	5مارچ	13مارچ 2010ء	

فرق تلاش کریں

یہ دونوں تصاویر بظاہر ایک جیسی لگ رہی ہیں، لیکن ان میں دس جگہ پر فرق ہے۔

کیا آپ یہ فرق تلاش کر سکتے ہیں؟

بلا عنوان کے کچھ عنوانات بغیر انعامات کے

☆ یہ سب میری مونچھوں کا کمال ہے۔
(محمد طاہر وسیم، گجرات)

☆ پہلوان جی! سرکس میں آپ کی نوکری پکی۔
(عروہ یونس، لاہور)

☆ اب کہو گے گنجا۔
(وقاص مصطفیٰ، جھنگ)

☆ ابو جی! معاف کر دیں، آئندہ شرارت نہیں کریں گے۔
(محمد آصف، سرگودھا)

☆ ہم سا ہو تو سامنے آئے، ورنہ اپنی جان بچائے۔
(محمد تحسین احمد، ساہی وال)

☆ ارے ہمیں نیچے اتارو! ابھی ہم نے تعلیم و تربیت بھی پڑھنا ہے۔
(محمد مبین احمد، ساہی وال)

☆ ایک تیر سے دو شکار۔
(آشیانہ زینب، پی)

☆ ویٹ لفٹنگ اور سزا ساتھ ساتھ۔
(محمد صہیب خالد، فیصل آباد)

☆ شانی مانی اور اچھو پہلوان۔
(عمر فاروق، لاہور)

☆ تندرستی ہزار نعمت ہے۔
(حفصہ رزاق، اسلام آباد)

☆ آگے آگے گرو، پیچھے پیچھے چیلے
(نور فاطمہ، حرا قریشی، ملتان)

☆ ورزش کی ورزش، کھیل کا کھیل
(عنیزہ لوہانی، پشاور)

☆ آپ کی ہوئی ورزش ہمارا بنا جھولا۔
(شہزر عظیم صدیقی، لاہور)

☆ ورزش یا سرزنش۔
(کائنات فاطمہ، گجرات)

☆ آؤ بچو! سیر کرائیں تم کو پاکستان کی۔
(زین العابدین، لاہور)

☆ موٹے میاں تو موٹے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔
(معاذ احمد صدیقی، کندیاں)

☆ معاف کر دیجئے، آئندہ شرارت نہیں کریں گے۔
(شذرے عظیم، لاہور)

☆ ایک آدمی نے وزن اُٹھایا..... دو بچوں نے جھولا بنایا۔
(مرزا سالار بیگ، ملتان)

☆ آج قابو آئے ہو بچو! تمہیں ویٹ لفٹر بنا کر چھوڑوں گا۔
(مریم، لاہور)

☆ انٹرنیشنل پہلوان۔
(مدثر شہزاد، گڑھ موڑ)

☆ ہے کوئی مجھ سے بڑا پہلوان۔
(مزمل شہزاد، گڑھ موڑ)

☆ پہلوان کا ترازو۔
(باسط علی، چترال)

☆ جسم سمارٹ کرنے کا نیا انداز۔
(محمد شاہد پنی کوہاٹ)

☆ ویٹ لفٹنگ اور تفریح ساتھ ساتھ۔
(عبدالرحمٰن دانش، ساہی وال)

☆ نیا زمانہ، نیا انداز
(محمد فرخ حیات، پیر محل)

☆ ابا کی پہلوانی، بچوں کی پریشانی
(سمید حنان، لاہور)

☆ پہلوان بھیا! ہمیں تو نیچے اتارو۔
(محمد داؤد، فیصل آباد)

☆ ہم سا ہو تو سامنے آئے۔
(حافظہ عائشہ طاہر، فیصل آباد)

☆ یہ ہے صحت مند رہنے کا صحیح طریقہ
(رضاء الحق، فیصل آباد)

☆ پہلوان کی طاقت، بچوں کی حماقت
(حسان علی، مانسہرہ)

☆ ابو! معاف کر دیں آئندہ ہم آپ کا کھانا نہیں کھائیں گے۔
(سمیر صغیر، راول پنڈی)

☆ وزن اُٹھاؤ، جان بناؤ۔
(ماہ رخ، لاہور)

کوٹھی نمبر 206

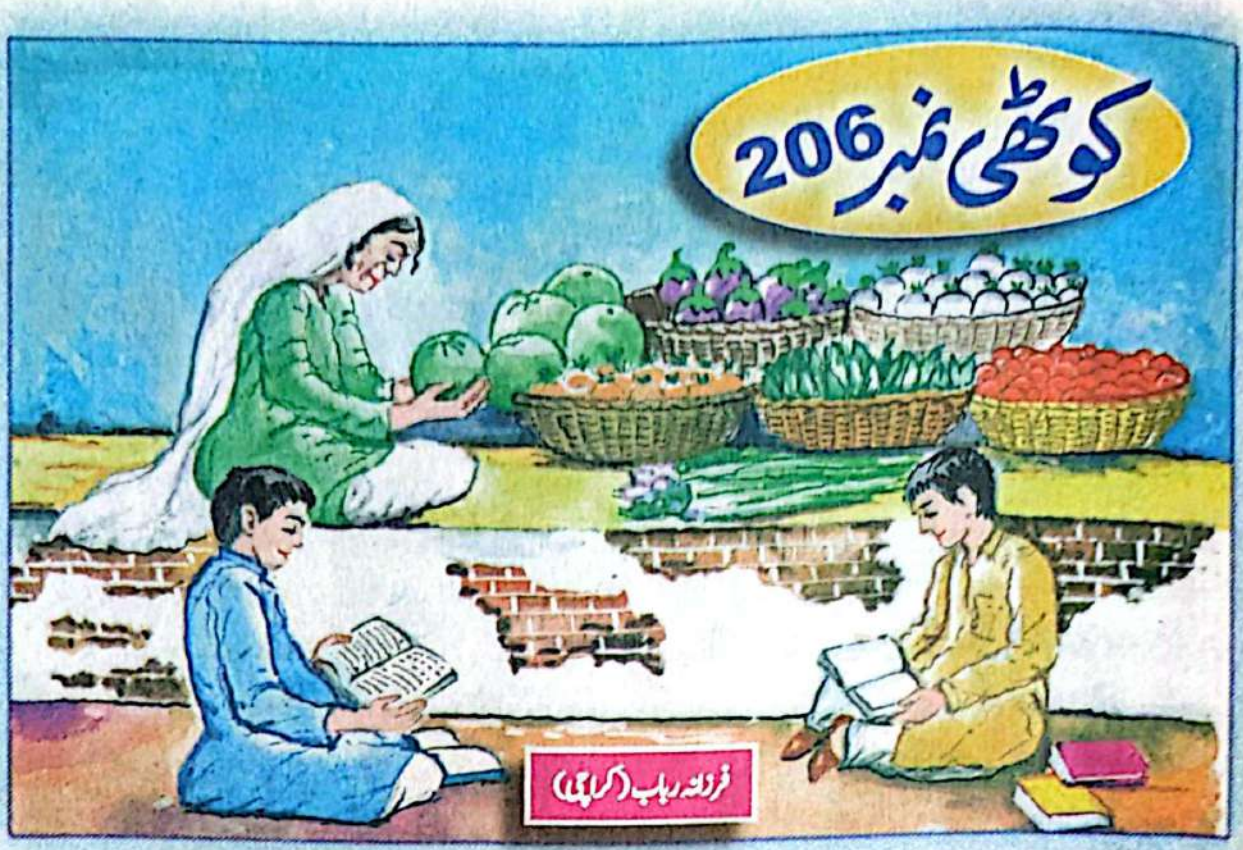

فرزانہ رباب (کراچی)

بیگم شیریں شوکت اپنی گاڑی میں کچی آبادی سے گزری۔ وہاں سے گزرنا اُس کی مجبوری تھی۔ وہ ایک فلاحی ادارے کی رکن تھی۔ اِس ادارے کا ذیلی دفتر اس علاقے میں حال ہی میں خریدا گیا تھا۔ اس فلاحی ادارے کو غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے بیرونِ ممالک سے کثیر رقم ملتی تھی، جو کچھ تو غریبوں پر خرچ ہوتی اور اس کا زیادہ تر حصہ فلاحی ادارے کے کارکن آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

بڑی سڑک سے اتر کر اُس تھڑے کے پاس سے گزرتے ہوئے بیگم شیریں کی نظر اُس بوڑھی عورت پر ضرور پڑتی، جو اپنے تھڑے پر سبزی کی ٹوکریاں ترتیب سے رکھے کبھی اُن پر چھڑکاؤ کر رہی ہوتی، کبھی کپڑے سے مکھیاں اڑا رہی ہوتی اور کبھی ململ کا کپڑا گیلا کر کے سبزی کے اُوپر رکھ رہی ہوتی تاکہ سبزی تازہ بھی رہے اور مکھیوں سے بھی بچی رہے۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی ہوتے تھے، اُن کی عمریں آٹھ دس سال کے لگ بھگ تھیں۔ وہ کبھی گاہکوں کو سبزی دے رہے ہوتے اور کبھی کتابیں کھولے پڑھ رہے ہوتے۔ بوڑھی عورت کا چہرہ جھریوں سے اس طرح اٹا تھا کہ اِس کی عمر کا اندازہ چہرے پر موجود چھوٹی بڑی لکیروں سے لگایا جاسکتا تھا۔ بیگم شیریں نے بارہا سوچا تھا کہ وہ وقت نکال کر اس عورت سے ملے گی اور اُس کی مالی مدد کرے گی۔

بیگم شیریں امیر والدین کی اکلوتی اولاد تھی، پھر خاوند بھی دولت مند تھا۔ دولت اُس پر مہربان تھی۔ دُنیا کی ہر آسائش اُس کے قدموں میں تھی۔ گھر میں تین تین گاڑیاں تھیں، ایک اس کے خاوند کے استعمال میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر شوکت خان ہمیشہ نئے ماڈل کی ایک جیپ بھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ اُسے شکار کا شوق تھا، وہ اس شوق کی خاطر کئی کئی دن گھر سے باہر گزارتا۔ شیریں کے پاس بھی نئے ماڈل کی کار تھی اور اس کا باوردی ڈرائیور ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ تیسری گاڑی ان کے اکلوتے بیٹے کی تھی، جو بی ایس سی کر رہا تھا۔ سارے دن کی مصروفیات کے بعد وہ گھر آتی تو چوکی دار گیٹ کھولتا، باوردی ڈرائیور گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے بیگم شیریں کی طرف کا دروازہ کھولتا اور ملازمہ بیگ اٹھا لیتی۔ کھانا تیار ہوتا، کمرے موسم کے مطابق گرم یا ٹھنڈے ہوتے۔ موسمی پھلوں کا جوس اس کے لیے تیار کیا جاتا۔ گھر کے تینوں افراد الگ الگ کھانا

کھاتے تھے، کیونکہ سب اپنے اپنے کاموں سے مختلف اوقات میں فارغ ہوتے تھے۔ کبھی کبھار ہی تینوں کھانے کی میز پر اکٹھے ہوتے تھے۔ البتہ کسی کی دعوت یا سماجی تقریبات میں میاں بیوی اکٹھے نظر آتے تھے۔ کہیں فیتہ کاٹنا ہوتا، کہیں لنچ ہوتا کبھی کسی وی آئی پی شخصیت کے ساتھ ڈنر کرنا ہوتا پھر فلاحی ادارے کے لیے غریب لوگوں کے علاقوں میں موجود دفتروں کا معائنہ کرنا ہوتا، یہ سب کچھ بیگم شیریں کے معمولات میں شامل تھا۔

لیکن اس بڑھیا کے چہرے پر نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ ہمیشہ اُس کو دیکھتی اور ملنے کا پروگرام بناتی، مگر صد افسوس کہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانا بہت مشکل تھا، اس کے لیے فوٹوگرافر ساتھ ہو، کسی اخبار یا ہفت روزہ میگزین کا نمائندہ بھی موجود ہو، معززین علاقہ ہوں، قناتیں تنی ہوں، پاؤں کے نیچے سرخ قالین ہو، علاقے کے غریب اکٹھے کیے جائیں، انتظامیہ بھی موجود ہو، پھر ان میں یہ بڑھیا بھی موجود ہو۔ لوگوں کو تقریروں کے ذریعے فلاحی ادارے کی کارکردگی سے آگاہ کیا جائے، پھر کیمروں کی چمک دمک میں چیک تقسیم کیے جائیں۔ اب بیگم شیریں شوکت خان اس تھڑے پر بیٹھ کر اس بڑھیا سے بات چیت کرنے سے تو رہی۔ اسی لیے تین سال گزر گے۔ وہ جب بھی اس موڑ سے گزرتی۔ ان تینوں کو دیکھتی کچھ سوچتی اور آگے بڑھ جاتی۔

آج بیگم شیریں نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ اس بوڑھی عورت سے ضرور ملے گی۔ فوٹوگرافر اور ہفت روزہ میگزین کا نمائندہ ساتھ لیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھی اور مقررہ جگہ پر پہنچ گئی۔ وہ اپنے ذہن میں مختلف سوالات ترتیب دیتی رہی۔ وہاں جا کر دیکھا تو لوگوں کا جم غفیر تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ سبزی والی بوڑھی عورت بے ہوش ہو گئی ہے، پہلے تو اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جاتی رہی، مگر جب وہ ہوش میں نہ آئی تو قریبی کلینک سے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ ڈاکٹر نے چیک کر کے بتایا کہ عورت مر چکی ہے، اس کے پوتے دادی کی موت سے بالکل نہیں گھبرائے۔ لوگوں نے ان سے مختلف سوال شروع کر دیے۔

انہوں نے بتایا کہ دادی کو تین دن سے بخار تھا۔ گھر میں ابا دمے کے مریض ہیں، اماں خون کی کمی کا شکار ہیں۔ جو پیسے سبزی خریدنے کے لیے بچائے تھے وہ ان کی دوا پر لگ گئے۔ دادی نے دوا لینے سے انکار کر دیا تھا۔ تین دن سے ہم لوگ فاقے سے تھے۔ باسی سبزی کوئی خریدنے کو تیار نہیں تھا۔ ابا دمے کی وجہ سے مزدوری کے قابل نہ تھے۔ ہم نے کچی باسی سبزی کھا کر اپنی بھوک مٹا لی تھی، مگر اماں، ابا اور دادی یہ نہیں کھا سکتے تھے۔

"ہمیں بتا دیا ہوتا بیٹے! ہم تمہارے لیے کھانے پینے کا بندوبست کر دیتے۔" ایک آدمی نے کہا تو لڑکا نہایت اعتماد سے بولا۔

"دادی کہتی تھیں انسان وہ ہوتا ہے جو خود دُوسروں کی ضرورتوں کی خبر رکھے۔ اپنا پیٹ ننگا کر کے کبھی نہیں دکھانا چاہیے۔ دادی یہ بھی کہتی تھیں کہ غریب، مجبور، ضرورت مند اور بے کس کی مجبوری کو اشتہار بنا کر اپنی خدمت کی دُکان سجانے والے مخلص انسان نہیں ہوتے، ان سے ہمیشہ بچ کر رہنا چاہیے۔ آپ صرف ہماری دادی کی میت کو ہمارے گھر تک پہنچانے میں ہماری مدد کر دیں۔"

"بیٹا! یہ لو!" مختلف آوازیں ہجوم میں سے سنائی دینے لگیں۔ سب لوگوں نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، کسی نے پانچ پانچ سو کے کڑکڑاتے نوٹ نکالے، کسی نے سو سو کے نوٹ ہاتھ میں پکڑ لیے اور کوئی ہزار ہزار کے نوٹ اپنے ہاتھ میں لے کر فتح مندی کے احساس سے سرشار نظر آنے لگا۔

"ہمیں دادی نے سختی سے منع کیا تھا کہ کسی سے خیرات نہیں لینی، خود محنت کرنی ہے، کچھ دنوں کے فاقے سے گھبرا نہیں جانا، محنت چھوڑ کر صدقہ خیرات پر پلنے کی کبھی نہ سوچنا۔ بیماری، دُکھ اور سکھ سب ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دادی کہتی تھیں سرخرو وہی ہوتا ہے جو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے۔"

بچے کی بات سن کر سب لوگوں کی پیشانیاں عرق آلود ہو گئیں۔

"بیٹے! آپ کفن دفن کا انتظام کیسے کریں گے، آپ کے گھر میں تو فاقہ اور بیماری ہے؟" ایک اور آدمی بولا۔

"بچو! ہم سب لوگ تمہارے خیر خواہ ہیں، ہم محبت اور ہم دردی میں اگر کچھ دے رہے ہیں تو لے لو، چند دن آسانی سے گزر جائیں گے۔" ایک اور بزرگ آگے بڑھے اور ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔

"دادی کہتی تھیں تمہارا خیر خواہ وہی ہوتا ہے جو غربت، بیماری اور بے بسی میں تمہارا ساتھ دیتا ہے، تمہارا حال پوچھتا ہے۔ تم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اردگرد کے لوگوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے۔ ہمسایوں کا بہت خیال رکھتا ہے اور وقت پر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتا ہے وہ سچا خیر خواہ ہوتا ہے۔"

"اس کی دادی تو پڑھی لکھی ہو گی، جو ایسی باتیں کرتی تھی۔" ایک دُکان دار بولا۔

"ہماری دادی نے قرآن پاک پڑھا تھا۔ وہ اچھی باتوں پر خود بھی عمل کرتی تھیں اور ہمیں بھی تاکید کرتی تھیں۔ آپ اتنی مہربانی کر دیں کہ دادی کی میت ہمارے گھر پہنچا دیں۔ اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے اچھے بدلے کی دُعا بھی کریں گے۔"

لوگ حیران و ششدر کھڑے بچوں کی باتیں سن رہے تھے۔

"تم رہتے کہاں ہو؟" ایک آدمی نے پوچھا۔

"یہاں سے بہت دُور گلشن آباد کی کوٹھی نمبر 206 کے پیچھے گندے نالے کے پاس سرکاری جگہ پر سرکار کی اجازت سے رہ رہے ہیں۔ جب کوئی وہاں سے اٹھا دے گا تو اللہ کی زمین بہت بڑی ہے کہیں اور ٹھکانہ کر لیں گے، دادی کہتی تھیں انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ ہم اللہ کے بندے بن کر رہیں گے، ہمیں شیطان کو خوش نہیں کرنا ہے۔"

"کوٹھی نمبر 206" بیگم شیریں نے زیر لب دھرایا۔ یہ

کرنیں

☆ خوابوں کی دُنیا چاہے کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو سچائی سے بہت دُور ہوتی ہے۔

☆ خوب صورتی کپڑوں سے نہیں علم سے آتی ہے۔

☆ جو چیز نہ آتی ہو اُسے سیکھنے میں شرم نہ کریں۔

☆ سچائی ایسی دوا ہے جو چکھنے میں کڑوی اور اثر میں میٹھی ہوتی ہے۔

☆ تم راستے میں اتنے پھول بکھیر دو کہ کانٹے خود بخود دب جائیں گے۔

☆ محنت اپنا انعام خود دیتی ہے۔ (قمر ناز دہلوی، کراچی)

بیگم شیریں کی شان دار کوٹھی کا نمبر تھا۔ گندے نالے کے پاس جو سرکاری پلاٹ تھا وہ اس پر قبضہ کرنے کے لیے تمام کارروائی مکمل کر چکی تھی، لیکن آج اس وقت اس بچے کی زبان سے خودی اور خوداری کا سبق جو دادی نے پڑھایا تھا سن کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ گندے نالے کے پاس اتنے من کے اجلے لوگ رہائش پذیر تھے اور اسے معلوم ہی نہ تھا۔ وہ انہیں بھی دربدر کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ بیگم شیریں کی آنکھیں آج کھل گئی تھیں۔

"اب کہاں چلیں بیگم صاحبہ؟" باوردی ڈرائیور نے پوچھا۔

"گھر چلو، کوٹھی نمبر 206۔" وہ آہستہ سے بولی۔

گاڑی کوٹھی نمبر 206 کے سامنے رکی، مگر آج پہلی بار بیگم شیریں اپنی کوٹھی کے عقب میں گندے نالے کے پاس واقع اُس گھر کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں بڑے لوگ رہتے تھے۔ آج اس بوڑھی عورت کے ساتھ وہ دکھاوے والی شیریں بھی مر گئی تھی۔ بڑھیا کے سبزی والے تھڑے کے پاس نئی شیریں وجود میں آئی تھی، جسے اب آخری سانسوں تک غریبوں کے لیے ہی سب کچھ کرنا تھا، تاکہ جو دیر ہو گئی تھی اُس کا کفارہ ادا ہو سکے۔ آغاز اسی بزرگ عورت کے خاندان کو اپنی کفالت میں لے کر کرنا تھا۔ یہی سوچ کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی گندے نالے کی طرف چل پڑی۔

----☆☆----

مفید مشغلے

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا

غلام حسین میمن (حیدر آباد)

یہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی بات ہے۔ برطانیہ میں حکومت نے سر رو لینڈ ہل کو ٹیکسوں کے جائزے کا کام سونپا۔ اُس نے اس دوران ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ کافی کے ٹیکس میں آدھے پینی (برطانیہ کی کرنسی) اضافہ کرنے سے ٹیکس کی آمدنی بڑھ گئی ہے، مگر اس کے مقابلے میں ڈاک کی شرح بڑھنے کے باوجود اُس کی آمدنی کم تھی اور یہ محکمہ اپنا خرچہ پورا کرنے سے بھی قاصر تھا۔ اس کے مقابلے میں فرانس میں ڈاک کا محصول برطانیہ سے کم تھا، مگر پھر بھی اس کی آمدنی زیادہ تھی۔ اس نے تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ خط کا محصول خط وصول کرنے والے کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے خطوط غلط پتہ ہونے کی وجہ سے واپس آجاتے ہیں اور کئی لوگ خطوط وصول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بھی محکمے کو محصول نہیں ملتا اور یوں نقصان ہو رہا ہے۔

پھر ایک اور واقعہ ہوا۔ سر رو لینڈ نے ایک دفعہ دورانِ سفر دیکھا کہ ڈاکیا ایک خاتون کو خط دے رہا ہے۔ اُس خاتون نے خط الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اس کا محصول دریافت کیا تو ڈاکیے نے ایک شلنگ کا مطالبہ کیا۔ خاتون نے خط لوٹاتے ہوئے کہا کہ میں اتنا محصول برداشت نہیں کر سکتی۔ سر رو لینڈ کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور انہوں نے شلنگ خود ادا کر کے خط خاتون کے حوالے کر دیا۔

جب ڈاکیا چلا گیا تو خاتون نے سر رو لینڈ سے کہا کہ آپ نے پیسے ضائع کر دیے سر رولینڈ نے چونک کر پوچھا: ”وہ کیسے؟ کیا تمہیں اس خط سے کچھ حاصل نہیں ہوا.....؟“

خاتون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: ”یہ خط میرے بیٹے کا ہے اور ڈاک خرچ سے بچنے کے لیے ہم نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ میرا بیٹا خط کے باہر چند خفیہ نشانات لگا دیتا ہے جس سے مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔“

سر رولینڈ کے لیے یہ معاملہ حیران کن بھی تھا اور تشویش ناک بھی۔ چنانچہ اب اُن کی ڈاک کے نظام کی اصلاح کی کوششوں میں مزید تیزی آئی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں 15 جنوری 1839ء یونی فارم پینی یو سٹیج ایکٹ نافذ کیا گیا۔ اپریل 1840ء کو دُنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ شائع ہوا، مگر اس کی فروخت 6 مئی 1840ء سے شروع ہوئی۔ دُنیا کے اس پہلے ڈاک ٹکٹ پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر تھی۔ اس کا رنگ سیاہ اور قیمت ایک پینی تھی۔ اس مناسبت سے اس ڈاک ٹکٹ کا نام ”بلیک پینی“ مشہور ہوا۔ اس پر ملک کا نام نہیں تھا۔ اُس وقت سے اب تک برطانیہ کے ڈاک ٹکٹوں پر ملک کا نام تحریر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد سوئزر لینڈ، برازیل، کینیا اور امریکہ سمیت دیگر کئی ملکوں نے بھی ڈاک ٹکٹ شائع کرنے شروع کیے۔

بلیک پینی کے اجراء کے صرف 12 سال بعد یکم جولائی 1852ء کو کراچی کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ یہاں سے براعظم ایشیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا، جو سندھ ڈاک کے نام سے

مشہور ہوا۔ یہ تین ٹکٹوں کی سیریز تھی جن پر سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک ای آئی سی (ایسٹ انڈیا کمپنی) تحریر تھا۔

آغاز میں ملکوں کے ڈاک ٹکٹ اُسی ملک کی حدود میں استعمال ہوتے تھے۔ ان کے ذریعے بیرونی ملک ڈاک نہیں بھیجی جاتی تھی۔ 1874ء میں پندرہ ممالک کا پہلا اجلاس امریکہ اور دوسرا اجلاس سوئزر لینڈ میں ہوا۔ 24 جون 1874ء کو طویل بحث اور غور و خوض کے بعد سوئزر لینڈ میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے نتیجے میں یونیورسل پوسٹل یونین وجود میں آئی۔ اس کے تحت دُنیا کے مختلف ممالک کے درمیان ڈاک کے نرخ مقرر کیے گئے اور لفافے کا ایک خاص سائز بھی مقرر ہوا۔ دُنیا کے مختلف ممالک کے درمیان اس معاہدے کے تحت سرکاری، کاروباری اور نجی ڈاک کا لین دین شروع ہوا۔

یہ تو تھی ڈاک ٹکٹ کے آغاز کی کہانی..... اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اسے بہ طور مشغلہ اپنانے کے فائدے کیا ہیں۔ اور اسے کیسے جمع کیا جائے۔

یاد رکھیے..... ڈاک ٹکٹ محض کاغذ کا رنگین ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص واقعے، شخصیت اور موضوع کے اعتبار سے معلومات اور یادگار کا حوالہ ہوتے ہیں۔ یہ معلومات کا ایسا خزانہ ہوتے ہیں جس میں ملکوں کی تہذیب و ثقافت اور دیگر معلومات کو محض ایک تصویر میں سمویا ہوا ہوتا ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثال اس پر صادق آتی ہے۔ ڈاک ٹکٹ ملکوں کے خاموش کاغذی سفیر بھی کہلاتے ہیں جو اپنے ملک کی ثقافت طرز رہائش، جغرافیائی حوالے اور شخصیات کے بارے میں دُنیا کے دیگر ممالک میں نمائندگی کرتے ہیں۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کے دو آسان طریقے ہیں۔ نمبر 1 خرید کر، نمبر 2 دیگر ذرائع سے۔ پاکستان کا محکمہ ڈاک یا دُنیا کے دیگر ممالک جہاں تک آپ کی رسائی ہو، وہ جب کسی خاص موقع پر ڈاک ٹکٹ جاری کرتے ہیں تو اس موقع پر اسے خرید لیا جائے۔ اس کے علاوہ مارکیٹ میں بھی پرانے ڈاک ٹکٹ کے سیٹ (استعمال شدہ) مل جاتے ہیں۔

دیگر ذرائع سے مراد یہ ہے کہ آپ کے گھر، رشتہ دار یا دوستوں کے ہاں ملکی یا غیر ملکی ڈاک آتی ہو تو اس کے لفافے پر لگے ڈاک ٹکٹ کو احتیاط سے اتار کر اپنے خزانے میں جمع کر لیں۔ اس طرح آپ کے پاس ملکی ڈاک ٹکٹ کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک کے ٹکٹ بھی جمع ہو جائیں گے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ کے پاس زائد ٹکٹ ہوں تو یہ آپ اپنے دوستوں سے تبادلہ کر کے بھی اپنا ذخیرہ بڑھا سکتے ہیں۔

لفافوں پر سے ڈاک ٹکٹ کو احتیاط سے علیحدہ کیا جائے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ ٹکٹ کے آس پاس سے اضافی کاغذ کے ساتھ ٹکٹ کو کاٹ لیں۔ پھر اسے کچھ دیر پانی کے برتن میں ڈبو دیں۔ جب کاغذ گیلا ہو گا تو ڈاک ٹکٹ پر لگی گوند اپنی جگہ چھوڑ دے گی اور اب آپ اُسے آہستہ آہستہ علیحدہ کر سکتے ہیں۔ کچھ دیر بعد سیاہی چوس کاغذ پر رکھ کر اسے خشک کر لیں۔

یاد رکھیے جلدی یا بے احتیاطی سے لفافے سے ڈاک ٹکٹ کو علیحدہ کرنے سے یہ خراب بھی ہو سکتے ہیں یا اس کے کونے/دندانے پھٹ سکتے ہیں، جس سے یہ ٹکٹ اپنی اہمیت کھو دے گا۔

اب آپ اسے اپنے البم میں سجا کر اپنے دوستوں کو دکھائیں اور اُن کی معلومات میں اضافہ کریں۔ یہ البم بازار میں باآسانی مل جاتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اسے سادہ انداز میں خود بھی بنا سکتے ہیں۔ اپنی سادہ کاپی میں اسے چپکا بھی سکتے ہیں۔ یادگاری ڈاک ٹکٹوں کے ریکارڈ جاننے کے لیے باتصویر کیٹلاک ڈاک خانوں سے باآسانی مل جاتے ہیں۔

ڈاک ٹکٹوں کو باتصویر انسائیکلوپیڈیا بھی کہا جاتا ہے۔ اس مشغلے کو "فلیٹ لی" (Philately) کہا جاتا ہے۔ مصر کے شاہ فاروق اور اُن کے والد کا نام مشاہیرِ عالم میں ڈاک ٹکٹ جمع کرنے والے اہم شوقین میں لیا جاتا ہے۔ ڈاک ٹکٹ کے مطالعے کے علم کو "Philatalists" کہتے ہیں۔

جس ٹکٹ پر K.S.A لکھا ہو وہ سعودی عرب کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر Magyar لکھا ہو وہ ھنگری کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر SEVERIGE لکھا ہو وہ سویڈن کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر NIPPON لکھا ہو وہ جاپان کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر NORGE لکھا ہو وہ ناروے کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر LIBAN لکھا وہ لبنان کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر HELENTIA لکھا ہو وہ سوئٹزرلینڈ کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر DDR لکھا ہو وہ مشرقی جرمنی کا ہو گا۔

جس ٹکٹ پر OSTERICH لکھا وہ آسٹریا کا ہو گا۔

غیر ملکی ڈاک ٹکٹ

☆ دُنیا میں سب سے پہلے لوہے کے ڈاک ٹکٹ بھوٹان نے جاری کیے۔

☆ دُنیا میں سب سے پہلے دندانوں کے ساتھ ڈاک ٹکٹ برطانیہ نے شائع کیے۔

☆ دُنیا میں سب سے پہلے گول ٹکٹ برٹش گی آنا نے 1850ء میں جاری کیے۔

☆ دُنیا میں سب سے پہلا تکونہ ٹکٹ جنوبی افریقہ نے 1853ء میں جاری کیا۔

☆ دُنیا کا سب سے چھوٹا ٹکٹ جنوبی افریقہ کے ملک کو لمبیا نے شائع کیا، جس کا سائز 31x37 انچ تھا۔

☆ دُنیا کا سب سے بڑا ڈاک ٹکٹ 1905ء میں چین نے شائع کیا۔ جس کا سائز 210x65 ملی میٹر تھا۔

☆ دُنیا میں سب سے زیادہ مالیت کا ڈاک ٹکٹ کینیا نے 1905ء میں شائع کیا، جس کی قیمت سو پونڈ تھی۔

☆ 1967ء میں نزولِ قرآن پاک چودہ سو سالہ جشن کے موقع پر سری لنکا نے بھی ڈاک ٹکٹ جاری کیا تھا۔

☆ امریکا کا پہلا ڈاک ٹکٹ 1847ء میں شائع ہوا، جس پر بنجمن فرنیکلن کی تصویر تھی۔

ملکی ڈاک ٹکٹ

☆ پاکستان کا پہلا ڈاک ٹکٹ یکم اکتوبر 1947ء کو ہندوستان کے ٹکٹوں پر لفظ پاکستان چھاپ کر جاری ہوا۔

☆ پاکستان کے پہلے یادگاری ڈاک ٹکٹوں کا سیٹ 9 جولائی 1948ء کو جاری ہوا۔ وہ چار مختلف ڈیزائن کے ٹکٹ تھے۔ ان پر قومی علامت چاند تارا نمایاں تھی اور پاکستان زندہ باد کے الفاظ تحریر تھے۔ ان کی مالیت ڈیڑھ آنہ، ڈھائی آنہ، تین آنہ اور ایک روپے تھی۔ ایک روپے والا ٹکٹ مصورِ مشرق عبدالرحمٰن چغتائی نے ڈیزائن کیا تھا۔ اس ٹکٹ کا شمار دُنیا کے دس خوب صورت ٹکٹوں میں کیا جاتا ہے۔

☆ 1963ء میں انسانی حقوق کی پندرہویں سالگرہ کے موقع پر برطانیہ میں چھپنے والا یادگاری ڈاک ٹکٹ آخری تھا جو کسی دُوسرے ملک میں شائع ہوا۔ اس کے بعد سے اب تک پاکستان کے تمام ڈاک ٹکٹ اپنے ہی ملک میں شائع ہوتے ہیں۔

☆ پاکستان کے ڈاک ٹکٹوں پر علامہ اقبال کے دستخط بھی شائع ہوئے ہیں۔

☆ پاکستان کے ڈاک ٹکٹوں کے لیے سب سے زیادہ ڈیزائن عادل صلاح الدین نے بنائے ہیں۔

☆ایک شہر میں دھماکہ ہوا۔ رپورٹرز ٹیموں کے پاس گیا اور پوچھا۔
"یہ دھماکہ کیسے ہوا؟"
ایک زخمی بولا: "میں تو آرام سے اپنے کام پر جا رہا تھا کہ اچانک ایک بم میرے پاس آیا اور زور سے بولا بھاؤں۔"
(خدیجہ ظہور، بہاول پور)

☆ایک عورت (دُوسری عورت سے): "تم میرے ڈاکٹر کے پاس جاؤ وہ بہت قابل ہے۔"
دُوسری عورت بولی: "لیکن مجھے تو کوئی بیماری نہیں۔"
پہلی عورت: "تم جاؤ تو سہی، وہ کوئی نہ کوئی بیماری ضرور بتا دے گا۔"
(مشاہ محمود، گوجرانوالہ)

☆ایک خاتون نے ڈاکٹر سے کہا: "ڈاکٹر صاحب! میرا چھوٹا بیٹا ہر وقت منہ میں ہاتھ ڈالے رکھتا ہے۔ اُس کا کوئی علاج بتائیے۔"
ڈاکٹر: "اس کے لئے علاج کی کیا ضرورت ہے، اُسے بڑے بھائی کا نیکر پہنا دیں وہ ہر وقت نیکر پکڑے رکھے گا اور اِس کی منہ میں ہاتھ ڈالنے کی عادت ختم ہو جائے گی۔"
(ردا عامر لاہور)

☆ایک شکاری بہت بوڑھا ہو گیا، یہاں تک کہ اِس کی نظر بہت کمزور ہو گئی، لیکن شکار کا شوق جوں کا توں رہا۔ ایک دِن وہ شکار کے لئے اپنے ایک دوست کو جنگل میں لے گیا۔ ایک گولی اِس نے تاک کر چلائی پھر اپنے دوست سے پوچھا۔
"میں نے جس جانور پر گولی چلائی ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟"
دوست بولا: "اس جانور کو درخت کہتے ہیں۔" (سعد فاروق، ملتان)

☆استاد صاحب طلبا کو آواز کے بارے میں بتا رہے تھے۔ انہوں نے ایک بچے سے پوچھا: "گلاس ٹوٹنے سے کیسی آواز آئے گی؟"
"سر! امی کی آواز آئے گی، اب کیا توڑ دیا؟" بچے نے جواب دیا۔
(شاہد مصطفیٰ، چیچہ وطنی)

☆ایک دن ملا نصیر الدین کا چند شریر لڑکوں سے سامنا ہو گیا۔ ایک لڑکے نے ان سے کہا: "ارے ملا جی! آپ کے سر پر گھاس اُگی ہوئی ہے۔"
ملا بولے: "میں بھی کہوں کہ میرے ارد گرد گدھے کیوں کھڑے ہیں۔"
(ریحان صفدر، ڈیرہ غازی خان)

☆ایک دفعہ ایک بچہ صحن میں مرغا بنا ہوا تھا۔ باپ نے اُسے دیکھ کر پوچھا: "بیٹا! تم یہ کیا کر رہے ہو؟"
بچہ بولا: "ابو! آپ نے ہی تو کہا تھا کہ گھر آ کر سکول کا کام دہرایا کرو۔" (ذیشان محمود، لاہور)

☆مالک (نوکر سے): "جلدی سے کوئی خالی رکشا لے آؤ۔"
نوکر (واپس آ کر) "جناب! کوئی رکشا خالی نہیں ملتا، ہر رکشے میں ایک آدمی ضرور ہوتا ہے۔" (آمنہ ذوالقدر، راول پنڈی)

☆تیسری بار ایل بی ڈبلیو کی اپیل بھی منظور نہ ہوئی تو باؤلر کو غصہ آ گیا۔ وہ ایمپائر کی طرف پلٹا اور غصے سے بولا: "جناب عالی! یہ بتائیے کہ آپ کی چھڑی کہاں ہے؟"
ایمپائر: "چھڑی! کیسی چھڑی؟ میرے پاس تو کوئی چھڑی نہیں۔"
باؤلر: "کمال ہے! میں نے آج تک کسی نابینا کو چھڑی کے بغیر نہیں دیکھا۔" (اُمیمہ ضیاء، کوئٹہ کینٹ)

☆ڈاکو (مسافر سے) "تم رقم دو گے یا جان؟"
مسافر: "جان لے لو، رقم میرے بڑھاپے کا سہارا ہے۔"
(نور العین، کراچی)

☆رشید: "میری بلی اپنا نام بھی بتا سکتی ہے۔"
ثریا: "کمال ہے، کیا نام ہے اُس کا؟"
رشید: "میاؤں، میاؤں۔" (معطر گلفام، گجرات)

شوہر: "میں اپنی شاعری سے دُنیا میں آگ لگا دوں گا۔"
بیوی (جل کر): "تو پھر ایک شعر اس چولہے پر بھی پڑھ لیجئے۔"
(ماریہ طارق، راول پنڈی)

ایک صاحب نے نیا نیا پیانو خریدا اور اُسے بلند آواز سے ساری رات بجاتے رہے۔ صبح ان کے پڑوسی نے غصے میں آ کر ان کے کمرے کی تمام کھڑکیوں کے شیشے توڑ دیئے۔ انہوں نے پڑوسی کو بلایا اور پیار سے مسکرا کر بولے: "اگر آپ کو میری پیانو کی آواز نہیں آ رہی تھی تو میں ساری کھڑکیاں اور دروازے کھول دیتا۔"
(محمد تنویر انگرا، پیلووینس)

ڈاکٹر طارق ریاض خان (لاہور)

نایاب چڑیا

افغانستان میں ماہرین حیاتیات کو پہلی بار ایک ایسی چڑیا کے رہنے بسنے کے ایک علاقے کا پتا چلا ہے جس کے بارے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ دُنیا میں بہت کم لوگ اس پرندے کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ جنگلی حیات کے تحفظ کی سوسائٹی یا ڈبلیو سی ایس کے ماہرین نے بتایا ہے کہ انہیں شمال مشرقی افغانستان کے سلسلہ کوہ پامیر کے درّہ واخان کے ایک دُور دراز علاقے میں ایک ایسے مقام کا پتا چلا ہے جہاں بڑی چونچ والی

اس قسم کی چڑیاں اپنے گھونسلے بناتی ہیں اور انڈے دیتی ہیں۔ ماہرین نے اس چڑیا کو WarblerReed کا نام دیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گانے والی یہ چڑیا سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں اپنے گھونسلے بناتی ہو گی۔ سائنس دانوں نے جنگلوں میں مختلف لوگوں کے مشاہدوں، ڈی این اے کی ساخت اور عجائب گھروں میں محفوظ نمونوں کی مدد سے اس سرکنڈے کی چڑیا کے وطن کو تلاش کیا اور پھر اپنی دریافت کی تصدیق کرنے کے لیے انہوں نے اُس علاقے میں اس قسم کے تقریباً 20 پرندوں کو پکڑنے کے بعد آزاد کر دیا۔ یہ بڑی چونچ والی چڑیوں کی آج تک ریکارڈ کی جانے والی سب سے بڑی تعداد ہے۔ ڈبلیو سی ایس کا کہنا ہے افغانستان کے دشوار گزار درّہ واخان میں حیاتیات کے کئی راز ابھی تک محفوظ اور پوشیدہ ہیں اور یہ علاقہ جنگلی حیات کے تحفظ کی خاطر مستقبل کی کوششوں کے لیے بے حد اہم ہے۔ اِس قسم کی چڑیا کا پہلا نمونہ 1867ء میں ہندوستان میں ملا تھا اور دُوسرا نمونہ سو سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد تھائی لینڈ میں ملا تھا۔

گلاب

گلاب کا سائنسی نام Rosa Indica ہے۔ گلاب بلا شبہ پھولوں کا بادشاہ ہے۔ اپنی رنگت، جسامت، خوشبو اور حسن کی

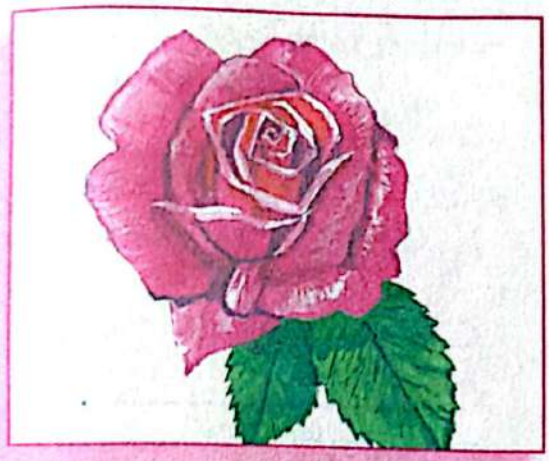

بدولت دُنیا بھر میں سب سے زیادہ اگایا اور خریدا جانے والا پھول گلاب کا ہے۔ اس کی ہزاروں اقسام دُنیا بھر میں کاشت کی جاتی ہیں۔ گلاب ایک سدا بہار پودا ہے۔ گلاب کی وجہ شہرت محض خوشبو یا خوب صورتی نہیں اِس کے پھولوں کی طبی اہمیت بھی ہے۔ اس کی پتیوں سے کشید عرق متعدد ادویات کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔ گلاب برطانیہ اور امریکہ کا قومی پھول ہے۔

کنگرو

آپ نے چڑیا گھر میں کنگرو کو دیکھا ہو گا۔ اِس کی پچھلی ٹانگیں لمبی اور اگلی چھوٹی ہوتی ہیں اور یہ بھی دیکھا ہو گا کہ مادہ کنگرو کے پیٹ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک تھیلی سی بنائی ہوئی ہے۔ جس میں وہ اپنے بچے کو اٹھا کر پھرتی ہے۔ جیسے کہ انسان اپنے بچوں کو گود میں اٹھا کر پھرتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اِس جانور کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ قدرتی تھیلے میں اپنے بچے

کو اٹھا کر گھوم پھر سکے۔

کنگرو صرف آسٹریلیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ دودھ دینے والا جانور ہے۔ پیدائش کے کئی ہفتوں تک مادہ کنگرو اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے انہیں اپنی تھیلی میں چھپائے رکھتی ہے جسے "Joyes" کہا جاتا ہے۔ کنگرو کی تقریباً 60 اقسام ہیں، لیکن ایک چیز سب میں مشترکہ ہے اور وہ یہ کہ تمام کنگروز کی پچھلی ٹانگیں انتہائی طاقتور اور لمبی ہوتی ہیں۔ اِس کی لمبی دم بھی

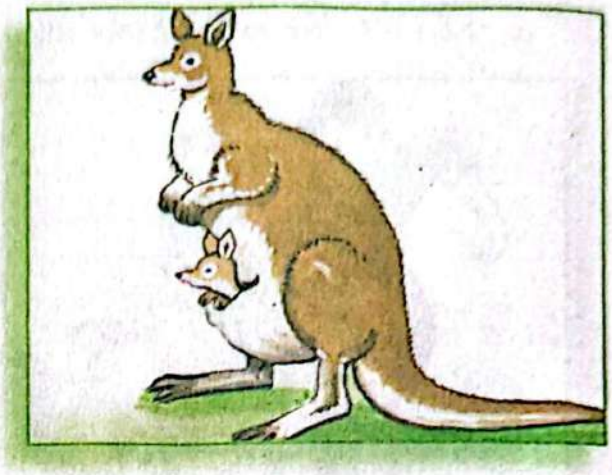

اس کے اچھلنے کے دوران توازن برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ چھوٹی اقسام کے کنگروز کو عام طور پر "wallabies" کہا جاتا ہے۔

کنگروؤں کی اکثریت وسطی آسٹریلیا کے کھلے میدانوں میں پائی جاتی ہے۔ ان کی خوراک میں گھاس اور سبزیاں شامل ہیں۔ دن کو جب درجۂ حرارت 30 درجے سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے تو یہ اپنی اگلی دونوں ٹانگیں کھول کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جس سے اِس کے خون میں حدت نہیں رہتی۔ کنگرو خوراک کی تلاش میں دُور دراز کا سفر کرتا رہتا ہے۔

خصوصی طیارہ

فضا سے فضا میں لڑاکا طیاروں کی ری فیولنگ کرنے والا پہلا ایئر کرافٹ پاکستان پہنچ گیا ہے۔ پاک فضائیہ کے ترجمان کے مطابق پاکستان نے یہ طیارہ وسط ایشیائی ریاست یوکرائن سے حاصل کیا ہے۔ اِس طرح کے مزید 3 طیارے آئندہ سال پاکستان پہنچ جائیں گے۔ یہ طیارہ ایک پرواز میں کئی لڑاکا طیاروں کو ایندھن فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پاک

فضائیہ کے ترجمان کے مطابق فضا میں ری فیولنگ کرنے والا پہلا طیارہ ایئر فورس کے آپریشنل ایئر بیس پر پہنچ گیا ہے جب کہ مزید 3 طیارے 2010ء کے وسط تک پاکستان کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ ان طیاروں کے حصول سے پاک فضائیہ کی دفاعی صلاحیت میں اضافہ ہو گا۔

گاجر

گاجر سردیوں کے موسم میں قدرت کی عطا کردہ اہم سوغات ہے، جسے بڑے شوق سے مختلف انداز میں کھایا جاتا ہے۔ گلی گلی میں اِس کے حلوے کے تھال مٹھائی کی دُکانوں پر نظر آتے ہیں۔ گھروں میں بھی اِس کی کھیر اور حلوہ بڑے اہتمام سے تیار ہوتا ہے۔ دعوتوں میں اِس کا حلوہ ایک اہم میٹھی ڈش شمار ہوتا ہے۔ گاجر کی کاشت دُنیا بھر میں ہوتی ہے۔ گاجر حیاتین الف (وٹامن اے) سے بھرپور ہوتی ہے۔ یہ پوٹاشیم، کیلشیم

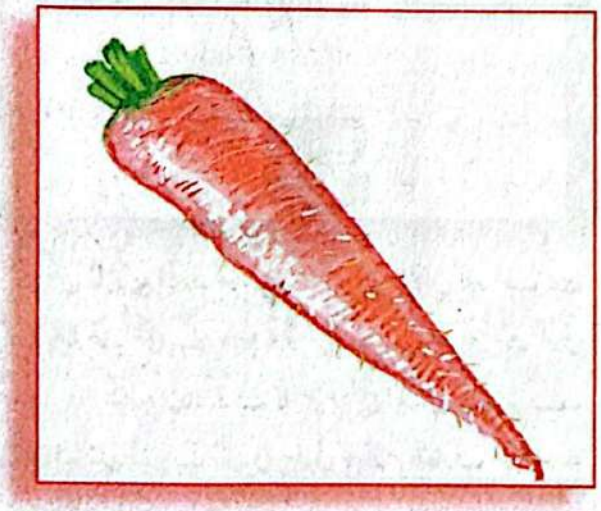

فاسفورس، گندھک اور سوڈیم جیسے اہم نمکیات کا خزانہ ہے۔ اِس کا شمار بہترین طاقت بخش غذائی اشیاء میں ہوتا ہے۔ خاص طور پر اِس میں موجود زرد رنگ یعنی بیٹا کیروٹین اس کا بہت اہم جز ہے یہی جسم میں جا کر حیاتین الف میں تبدیل ہوتا ہے اور حیاتین جسم کی قوت مدافعت کو مضبوط رکھتی ہے۔

اُبالنے کی صورت میں گاجروں کے دو اہم جز یعنی پوٹاشیم کی مقدار ایک تہائی اور فولاد کی مقدار گھٹ کر نصف ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح اِس کے دُوسرے اجزاء بھی کم ہو جاتے ہیں، گاجر بھاپ پر گلا کر یا پکا کر کھانی چاہیے۔ کچی گاجر میں بیٹا کیروٹین کم ہوتی ہے، لیکن پکانے سے اس میں تین گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ بہ آسانی ہضم بھی ہو جاتی ہے۔

گاجر خون بھی صاف کرتی ہے۔ دودھ کے ساتھ اس کا استعمال ایک موثر ٹانک ثابت ہوتا ہے اور شہد میں تیار گاجر کا مربہ دل کے علاوہ کھانسی اور نزلے زکام کے لئے بھی مفید ہوتا ہے۔

بجلی

بجلی (Electricity) کے بغیر سب کام ٹھپ ہو جاتے ہیں۔ THOMAS ALVA EDISON نے بجلی ایجاد کر کے عظیم کارنامہ سر انجام دیا۔ ایڈیسن گیارہ فروری 1847ء کو

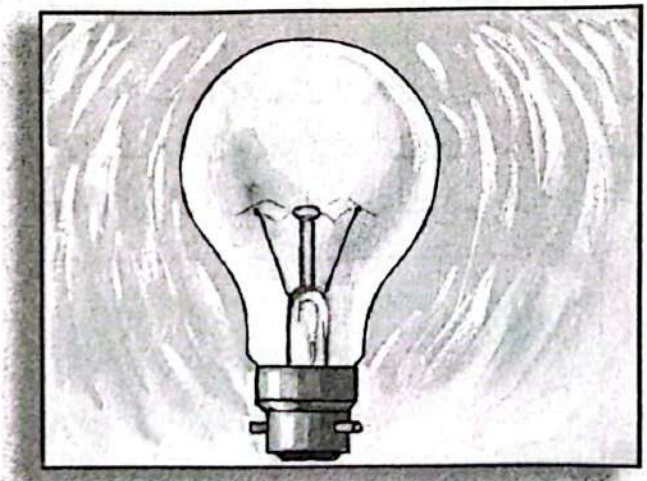

مشی گن میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے والدین کا ساتواں اور سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بجلی کے علاوہ فوٹو گراف، بلب اور حرکت کرتی تصاویر والا کیمرہ ایجاد کرنے کا سہرا بھی ایڈیسن کے سر ہے۔ 1880ء میں اُس نے بجلی کی سپلائی کا نظام متعارف کروایا۔ 4 نومبر 1882ء کو پرل سٹریٹ (Pearl Street) کے 59 گھروں کو ایڈیسن نے بٹن دبا کر بجلی مہیا کرنے کا افتتاح کیا۔ ابتداء میں 110 وولٹ ڈائریکٹ کرنٹ (D.C) مہیا کیا گیا تھا۔ اس عظیم ایجاد کا موجد 18 اکتوبر 1931ء کو انتقال ہوا تھا۔

فٹ بال

فٹ بال دُنیا میں سب سے زیادہ کھیلا جانے والا کھیل ہے۔ اِس کھیل سے متعلق عالمی ادارہ Federation of Football Association یعنی FIFA کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ ادارہ 2 مئی 1904ء کو قائم ہوا تھا۔ جس کے پہلے صدر "Robert Guenin" تھے۔

فٹ بال کا پہلا ورلڈ کپ میچ فرانس اور میکسیکو کے درمیان کھیلا گیا تھا۔ 18 جولائی 1930ء کو اِس میچ میں فرانس نے میکسکو کو چار گول سے شکست دی تھی۔ ورلڈ کپ فٹ بال کا پہلا گول کرنے کا اعزاز فرانس کے Lucien Laurent کے پاس ہے۔ ورلڈ کپ فٹ بال کا پہلا فاتح یوراگوئے (Uruguay) تھا، جس نے ارجنٹائن کو فائنل میں دو کے مقابلے میں چار گول سے شکست دی تھی۔

پاکستان میں 5 دسمبر 1947ء کو پاکستان فٹ بال فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا تھا، جس کے چیف پیٹرن قائد اعظم محمد علی جناحؒ تھے۔

---☆☆---

معلوماتِ عامہ

☆ صفی اللہ حضرت آدم علیہ السلام کا لقب ہے۔
☆ علم و حکمت کا بادشاہ حضرت ادریس علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔
☆ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کا لقب ہے۔
☆ پہلی وحی کے کاتب حضرت خالد بن سعیدؓ تھے۔
☆ ایران کے ۱۶ صوبے ہیں۔ (محمد اسد، میاں والی)

☆ معروف کتاب "شہاب نامہ" قدرت اللہ شہاب نے تحریر کی تھی۔
☆ معروف شاعر احمد فراز 14 جنوری 1931ء کو نوشہرہ میں پیدا ہوئے تھے۔
☆ احمد فراز کا اصلی نام سید احمد شاہ اور تخلص فرازؔ تھا۔
☆ احمد فراز کا انتقال 25 اگست 2008ء کو اسلام آباد میں ہوا تھا۔
☆ اِن کی شعری تصانیف میں تنہا تنہا، جاناں جاناں اور درد آشوب زیادہ معروف ہیں۔
☆ معروف شاعر منیر نیازی 26 دسمبر 2006ء کو اِس جہان فانی سے کوچ کر گئے تھے۔
☆ حکومت نے منیر نیازی کی خدمات کے اعتراف میں انہیں صدارتی ایوارڈ پرائیڈ آف پرفارمنس اور دو مرتبہ ستارۂ امتیاز سے نوازا تھا۔
☆ ممتاز شاعر شبنم رومانی کا اصل نام مرزا عظیم احمد بیگ چغتائی تھا۔
☆ شبنم رومانی کا انتقال 17 فروری 2009ء کو کراچی میں ہوا تھا۔ (مدثرہ خلیل، دینہ)

☆ دُنیا کا سب سے چھوٹا مینڈک برازیل میں پایا جاتا ہے جو کہ ایک سینٹی میٹر سے بھی کم لمبا ہے۔
☆ دُنیا کا سب سے بڑا مینڈک مغربی افریقہ میں پایا جاتا ہے جس کی لمبائی 30 سینٹی میٹر سے بھی زیادہ ہے۔ وہ خرگوش اور بطخ وغیرہ کو خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے۔
☆ شتر مرغ ایک گھنٹے میں 42 تا 70 کلو میٹر میل تک دوڑ سکتا ہے۔ (وردہ طاہر، ساہی وال)

☆ عظیم دیوارِ چین 204 قبل مسیح میں تعمیر کی گئی۔ یہ 1500 میل لمبی ہے اور اس کی اوسط اونچائی 25 فٹ جبکہ چوڑائی 12 فٹ ہے۔
☆ مجسمۂ آزادی نیویارک (امریکہ) 1886ء میں نصب کیا گیا۔ یہ 151 فٹ بلند ہے۔
☆ انسانی جسم کا نارمل درجۂ حرارت 98.6 درجہ فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔
☆ پاکستان نے اپنا پہلا سیارہ بدر اول چین میں تعمیر شدہ ایک راکٹ کے ذریعے 16 جولائی 1990ء کو مدار میں داخل کیا تھا۔
☆ برطانیہ کے سب سے بڑے ایوارڈ کا نام وکٹوریہ کراس ہے۔ (سید فرحان حیدر، لاہور)

☆ امیر خسرو اُردُو کے پہلے شاعر ہیں۔
☆ پیغمبروں کی سرزمین فلسطین کو کہا جاتا ہے۔
☆ دُنیا کا سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے۔
☆ دُنیا میں سب سے پہلا بنک اٹلی میں قائم ہوا۔
☆ سکندرِ اعظم کی بیوی کا نام "رکسونا" تھا۔
☆ علامہ اقبال نے اپنا پہلا مرثیہ "ملکہ وکٹوریہ" کے لیے لکھا۔
☆ دُنیا میں سب سے زیادہ ہوائی اڈے امریکہ میں ہیں۔
☆ موتیوں کی سرزمین بحرین کو کہتے ہیں۔
☆ مگرمچھ کی زبان نہیں ہوتی۔ (یاسر عثمان، جھنگ سٹی)

☆ قائد اعظم نے مسلم لیگ کی قیادت 1932ء میں سنبھالی تھی۔
☆ مسلم لیگ کا ہیڈ آفس علی گڑھ شہر میں قائم کیا گیا تھا۔
☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی 1920ء میں قائم ہوئی تھی۔
☆ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے میں پاکستانی شہر بالاکوٹ تباہ ہوگیا۔
☆ فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور میں ہے۔
☆ پاکستان ہاکی ٹیم کے مشہور کھلاڑی محمد سمیع اللہ کو ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے فلائنگ ہارس کہا جاتا ہے۔
☆ پاکستان کرکٹ ٹیم کے سابق پست قد کھلاڑی حنیف محمد کو بلے بازی میں مہارت کی بنا پر "لٹل ماسٹر" (Little Master) کہا جاتا ہے۔ (حافظ جواد اسلم بٹ، گوجرانوالا)

وہ ایک روشن اور خوشگوار دن تھا۔ سردی موسمِ بہار کو خوش آمدید کہتے ہوئے رخصت ہورہی تھی۔ میں اپنی نئی مہم کے لیے "دی جنگل" ٹی وی کے اسٹوڈیو پہنچا تاکہ وہاں سے اپنی ٹیم کے افراد جوزف، مائیکل، سوزانے اور ریٹا کو لے کر جنگل کا رخ کر سکوں۔ میں اپنی ٹیم سے مل کر افریقہ میں "دی جنگل" کی اسٹیشن ڈائریکٹر کیتھرین کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے بات کررہی تھیں۔اُن کے چہرے اور لہجے سے پریشانی عیاں تھی۔

"اچھا.....او.....نو.....یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

کیتھرین کی باتیں سن کرنہ جانے کیوں میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ تجسس کے مارے میں غور سے کیتھرین کی باتیں سننے لگا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ٹیلی فون پر اُن کی گفتگو بدستور جاری تھی۔

"جی جی ۔۔۔ میں سمجھ رہی ہوں ۔۔۔دیکھیے !آپ بالکل فکر نہ کیجیے۔ میں ابھی اپنی ٹیم بھیجتی ہوں۔" ٹیلی فون سے فارغ ہو کر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"مسٹر پیٹر براؤن ! اچھا ہوا آپ آ گئے، ایک مسئلہ پیش آگیا ہے۔"

"خیریت.....کیا ہوامیڈم؟" میں نے پوچھا۔

"مسٹر پیٹر براؤن ! مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ کل رات کچھ غیر ملکی لوگ راستہ بھول کر افریقہ کے جنگلوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ ظاہر ہے وہ بالکل اناڑی ہیں اوران جنگلوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اُن پر ایک شیر نے حملہ کر دیا ہے۔ شیر تین آدمیوں کو شدید زخمی کرنے کے بعد ایک آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ چار پانچ آدمی ابھی تک جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کو فوری طور پر ان کی مدد کے لیے پہنچنا ہو گا۔ ان لوگوں کو بچانے کے لیے یقیناً گورنمنٹ بھی کچھ نہ کچھ کررہی ہو گی، لیکن ہمیں سب کچھ گورنمنٹ پر چھوڑنے کی بجائے اپنا کام کرنا چاہیے۔" کیتھرین نے تفصیل بتائی۔

"ٹھیک ہے میڈم ! میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔" میں تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ اُن لوگوں کے موبائل فونز کے نمبر ہیں اور یہ نیچے

والا نمبر اُن کی گاڑی کا ہے۔" کیتھرین نے ایک کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" میں نے کاغذ کو ایک نظر دیکھا اور جیب میں رکھ کر کیتھرین کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

"جوزف۔۔۔مائیکل۔۔۔ہری اپ۔۔۔جلدی چلو۔"

میں نے تیز تیز چلتے ہوئے اپنی ٹیم کے لوگوں کے نام پکارے۔ کچھ دیر بعد ہم جنگلوں کے سلسلے کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔اپنے ساتھیوں کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے اپنی جیب سے کاغذ نکال کر ریٹا کے حوالے کیا اور اسے نمبر ملانے کی ہدایت کی۔ ریٹا جلد ہی ایک نمبر ملانے میں کامیاب ہو گئی۔

"سر!....." ریٹا نے موبائل مجھے پکڑا دیا۔

"ہیلو!" میں نے کہا۔

"ہیلو۔" دُوسری طرف سے ایک آدمی کی گھبراہٹ بھری آواز سنائی دی۔

"میں پیٹر براؤن بول رہا ہوں، ہم آپ کی مدد کے لیے آ رہے ہیں، آپ بالکل فکر مند نہ ہوں۔"

"سر! ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے۔ شش..... شیر..... دوبارہ نہ آجائے۔" وہ آدمی بولا۔

"شیر دوبارہ نہیں آئے گا، آپ حوصلہ رکھیں۔" میں نے اُس کو تسلی دی اور پھر فوراً ہی پوچھا: "مجھے یہ بتایئے کہ آپ کون سے جنگل میں ہیں؟"

"جی۔۔۔ میں نے ایک جگہ بورڈ پر بڑا سا 20 لکھا ہوا دیکھا تھا۔" اُس آدمی نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ ڈریں مت اور ہمارا انتظار کریں۔ ہم بہت جلد آپ کے پاس ہوں گے۔"

میں نے ایک بار پھر اُسے تسلی دی اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ مسلسل کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم جنگلوں کے سلسلے کے قریب پہنچ گئے۔ کھانا ہم نے دورانِ سفر ہی کھالیا تھا۔اس دوران میں نے وقفے وقفے سے فون کر کے جنگل میں موجود لوگوں کا حوصلہ بھی بڑھایا تھا۔ جنگلی علاقہ شروع ہوتے ہی سوزانے اور جوزف نے اپنا اپنا کیمرہ سنبھال لیا تھا۔ جنگل میں دائیں چار پانچ ریچھ جمع تھے۔

"سر! ذرا رکیے۔ میں ان ریچھوں کی فلم بنانا چاہتی ہوں۔" سوزانے کی آواز سن کر میں نے گاڑی روک دی۔

"یہ تو کسی انسان کی لاش ہے۔ دیکھیے اُس بھاگتے ہوئے ریچھ کے منہ میں ایک انسانی ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے۔" جوزف کیمرے کے پیچھے سے بولا۔اس کی بات سن کر ہم سب چونک پڑے۔ ہم سب کی نظریں ریچھوں پر تھیں۔ میں نے قریب جا کر دیکھا، وہاں آدھی انسانی ٹانگ اور چند ہڈیاں پڑی تھیں۔ یقیناً یہ وہی بد نصیب آدمی ہو گا، جسے رات شیر اٹھا کر لے گیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا اور چند لمحے جنگل کے اندر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا کہ شاید شیر آس پاس ہی کہیں موجود ہو۔ ریچھ پیٹ بھرنے کے بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔ میں بھی واپس گاڑی کی طرف چل پڑا۔ میرا دل بوجھل سا ہو گیا تھا۔

"سر! آپ کچھ اداس دکھائی دے رہے ہیں"۔ گاڑی چلی تو تھوڑی دیر بعد مائیکل بولا۔

"ہاں مائیکل!۔۔۔ایک انسان کو ریچھوں کی خوراک بنتے اور اُس کی ہڈیوں کو یوں لاوارث پڑا دیکھ کر میں بہت اداس ہوں۔"

میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ میں کوشش کے باوجود اپنا دکھ نہیں چھپا سکا تھا۔

"اس حادثے پر ہم سب بھی افسردہ ہیں سر!" جوزف نے کہا۔

چند لمحوں کے بعد ہم جنگل 20 کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت اگرچہ دن کا زیادہ تر حصہ گزر چکا تھا، مگر دھوپ ابھی تک موجود تھی۔ اس دھوپ کی وجہ سے جنگل کے اندر کا ماحول بڑا خوب صورت نظر آ رہا تھا۔ درختوں کی گھنی شاخوں اور تنگ جھاڑیوں کی وجہ سے جہاں دھوپ نہیں پہنچ پا رہی تھی، وہاں شام کا گمان ہو رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔

"سر! اگر شیر نے ہمیں دیکھ ۔۔۔۔"۔ ریٹا کچھ کہنا چاہتی

تھی مگر میرے ایک دم گاڑی کی بریک لگنے سے اُس کی بات پوری نہ ہو سکی تھی۔اچانک گاڑی رکنے کی وجہ سے ہم سب ہچکولے کھا کر رہ گئے تھے۔

"کیا ہوا سر؟" سوزانے نے کیمرے کے پیچھے سے پوچھا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" میں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔۔یہ کیا"؟جوزف کیمرے کے ذریعے سامنے دیکھتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

"اُف" مائیکل کی زبان سے صرف یہی نکل سکا تھا۔جب کہ سوزانے اور ریٹا کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئی تھیں۔

ہمارے سامنے چند قدم دُور درختوں کے بیچوں بیچ ایک شیر ایک آدمی کو گھسیٹتا ہوا لے جارہا تھا۔اُس آدمی کی ایک ٹانگ شیر کے مضبوط جبڑوں میں جکڑی ہوئی تھی اور شیر اُسے یوں گھسیٹتا ہوا لے جارہا تھا، جیسے کسی لکڑی یا جھاڑی کو گھسیٹ کر لے جایا جاتا ہے۔یہ منظر دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔میں نے گاڑی روک دی اور پیدل شیر کی طرف بڑھا۔میں شیر کو جلد از جلد ہلاک کرنا چاہتا تھا۔مجھے خدشہ تھا کہ اگر شیر یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اُسے مارنے کے لیے ہمیں کافی جدوجہد کرنی پڑے گی۔میں نے چھپ کر دو تین بار شیر کا نشانہ لینے کی کوشش کی، مگر مجھے کامیابی حاصل نہ ہو سکی کیونکہ جب تک میں گولی چلانے کی تیاری کرتا شیر میرے نشانے کی زد سے آگے جا چکا ہوتا۔گولی چلانے میں احتیاط کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں اُس آدمی کو بھی بچانا چاہتا تھا، جسے شیر اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا لے جارہا تھا۔میں چھپ کر شیر کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ موقع ملے تو میں شیر کا کام تمام کر دوں۔جوزف اور سوزانے بھی اپنے کیمروں کے ساتھ میرے پیچھے پیچھے تھے۔اچانک شیر رک گیا۔یقیناً اُسے کسی خطرے کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔اُس

نے ہمارے بھاگنے کی آواز لازماً سن لی تھی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جونہی شیر رکا ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور خود کو چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ اب شیر میرے نشانے کی زد پر تھا۔

میں نے اُس کی گردن کا نشانہ لیا، مگر گولی چلانے سے پہلے ہی سوزانے کی چیخ نے میری یکسوئی منتشر کر کے رکھ دی۔ میں نے سوزانے کی طرف دیکھا۔ براؤن رنگ کا ایک لمبا سانپ اُس کا رستہ روکے کھڑا تھا۔ سوزانے خوف سے کانپ رہی تھی۔ آناً فاناً سانپ نے سوزانے پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے کہ سانپ اُس کو ڈس لیتا، اُس نے کمال پھرتی اور ذہانت سے سانپ کو گردن سے دبوچ لیا۔ سوزانے نے اس زور سے سانپ کی گردن دبا رکھی تھی کہ اُس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ سانپ کو اپنے اس قدر قریب دیکھ کر سوزانے کی آنکھیں خوف سے پھٹی جارہی تھیں، لیکن اس کے باوجود اُس نے اپنے حواس کو قائم رکھا ہوا تھا اور سانپ کی گردن پر اپنی گرفت کمزور نہیں ہونے دی تھی۔ اس موقع پر جوزف نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا خنجر نکالا اور بڑی مہارت کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیے۔ سانپ کچھ دیر تک زمین پر لوٹ پوٹ ہوتا رہا اور پھر ہمیشہ کے ساکت ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر شیر کی طرف دیکھا وہ اُس آدمی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر غائب ہو چکا تھا۔ مجھے افسوس ہوا کیونکہ میں شیر کو ہلاک کرنے میں ناکام رہا تھا۔ میں نے جوزف کو ہدایت کی کہ وہ اس آدمی کو اٹھا کر گاڑی میں لے جائے۔ میں چھپتے چھپاتے شیر کے پیچھے چل پڑا۔ کافی دیر تک تلاش کے بعد بھی مجھے شیر کا کوئی اتہ پتہ نہ مل سکا، نہ جانے وہ کہاں چھپ گیا تھا؟ میں واپس گاڑی کی طرف چل پڑا۔

ریٹا کی جدوجہد سے وہ آدمی ہوش میں آچکا تھا۔ اُس کی وہ ٹانگ جو شیر کے منہ میں تھی، بُری طرح زخمی تھی۔ اُس کے کپڑے بھی جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ ہم سب اُس آدمی کی نشاندہی پر اُس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ جن میں سے تین کو شیر زخمی کر چکا تھا۔ ہم نے جیسے تیسے ان سب کو گاڑی میں بٹھا لیا۔ وہ سخت خوفزدہ تھے۔ شام ہونے لگی تھی۔ میں نے سوچا رات ہونے سے پہلے شیر کو تلاش کرنے کی ایک اور کوشش کر لینی چاہیے شاید وہ مل جائے۔ مجھے اندازہ تھا کہ شیر کے منہ کو انسانی خون لگ چکا ہے اور وہ اپنے شکار کی خاطر ضرور یہاں آئے گا۔ گاڑی کو درختوں میں چھپا کر میں جوزف اور سوزانے کے ساتھ عین اُس جگہ پر آکر کھڑا ہو گیا، جہاں سے شیر نے دو آدمیوں کو اٹھایا تھا۔ ہلکے ہلکے اندھیرے میں جنگل کے درخت بڑے پُر اسرار دکھائی دیتے تھے، لگتا تھا جیسے کئی خوفناک دیو چپ چاپ کھڑے ہوں۔ سائیں سائیں کی آواز بڑھتی جارہی تھی۔ میری نظریں ہر طرف گھوم رہی تھیں اور کان شیر کی آواز سننے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ جوزف اور سوزانے بھی چوکنے کھڑے تھے۔ خنکی میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔

اب ہر طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تھا۔ جوزف اور سوزانے شیر کی آمد سے مایوس ہونے لگے تھے۔ مگر میں ہرگز مایوس نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیر اپنے شکار کی تلاش میں ضرور آئے گا، اِسی لیے میں بار بار ہوشیار اور چوکس رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ شیر نے ساری رات ہمیں انتظار کروایا۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے جب شیر نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جوزف پر حملہ کیا۔ جوزف اس حملے کے لیے تیار تھا۔ وہ پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ شیر اُس کے اوپر سے گزرتا ہوا دھڑام سے زمین پر آ رہا۔ میں اُس کے سر کا نشانہ لے کر گولی چلانا ہی چاہتا تھا کہ شیر گرجا اور بڑی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک بار پھر ہم پر حملہ کرنے کے موڈ میں تھا۔ اُس کی گرج دار آواز نے جنگل کی خاموشی کو چیر کر رکھ دیا تھا۔ میں نے دوبارہ اُس کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ گولی سے شیر کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی اور وہ چند منٹ تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔ سوزانے نے یہ سارا منظر اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا تھا۔ گاڑی سے سب لوگ نکل کر مُردہ شیر کو دیکھنے کے لیے ہمارے پاس پہنچ گئے تھے۔ ہم نے مرے ہوئے شیر کو گاڑی کے پیچھے باندھا اور واپس روانہ ہو گئے۔

---☆☆---

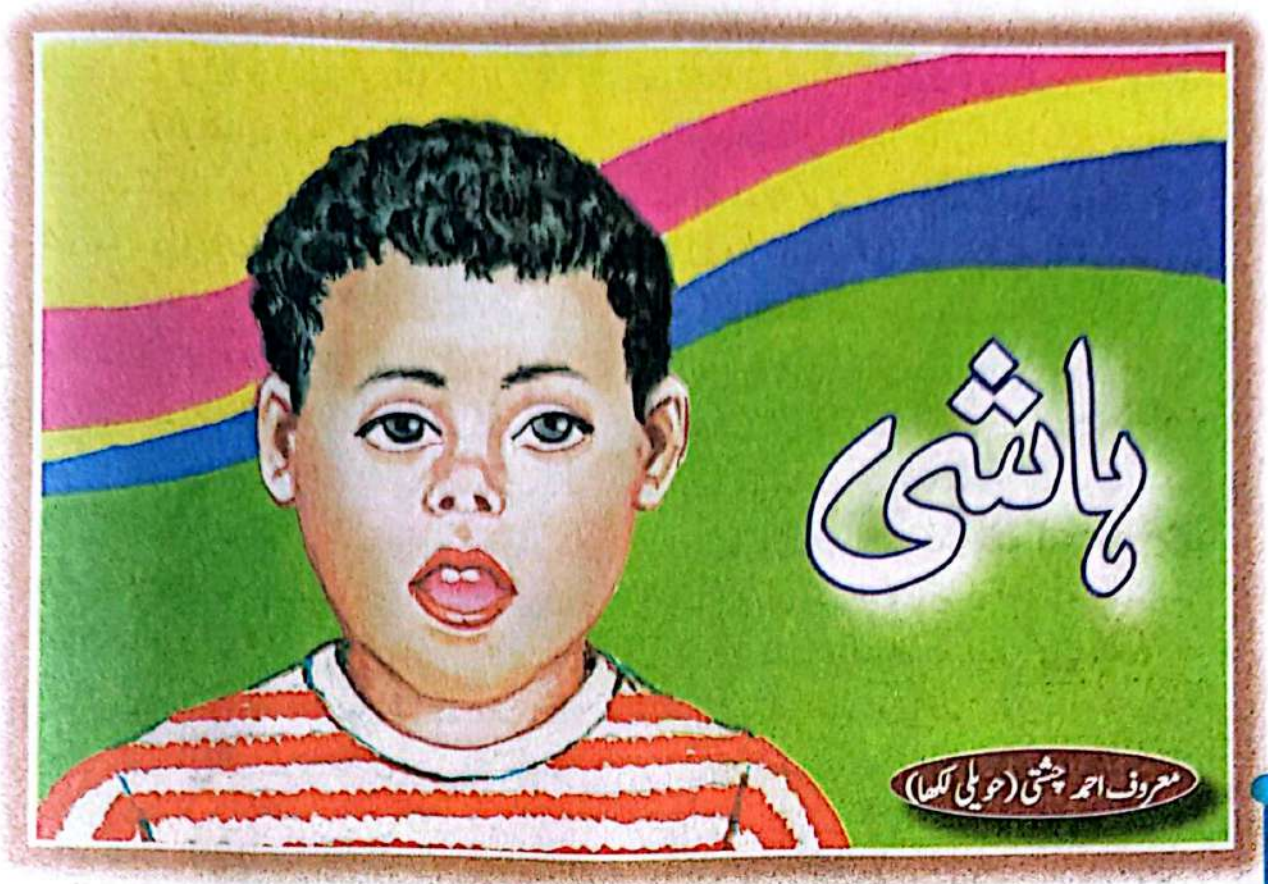

ایک روز ہم گلی سے گزر رہے تھے کہ ساتھ والے گھر سے آواز آئی: ”ہاشی آرام سے کھیل کسی کو لگ جائے گی۔“ اور اتنے میں وہ ہمارے سر پر لگی۔ وہ پلاسٹک کی چھوٹی کرسی تھی! حیرت سے ہمارے منہ میں ’سی‘ دب کر رہی گئی۔

اتنے میں ایک بچہ اُسی گھر کے دروازے پر منہ لٹکائے نظر آیا۔ ہم سر کو سہلاتے ہوئے ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ وہ خود ہی معصومیت سے بولا۔

”مجھے پتا ہے آپ ماریں گے۔“

”نہیں، نہیں، ہم آپ کو نہیں ماریں گے۔“ ہمارے منہ سے خود بخود نکل گیا۔

”یہی میں چاہتا تھا۔“ اس بچے نے اچانک چہک کر کہا اور کرسی اٹھا کر گھر میں گھس گیا اور ہم ہکا بکا رہ گئے، ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہاشم عرف ہاشی صاحب تھے۔ وہ نئے نئے ہمارے محلے میں آئے تھے اور جلد ہی اپنی شرارتوں سے محلے بھر میں نام پیدا کر لیا تھا۔ وہ ابھی تیسری کلاس میں پڑھتے تھے۔

ہاشی سے دُوسری ملاقات اِس سے بھی زیادہ دل چسپ تھی۔ ایک دن ہمارے گھر پکوڑے دینے آئے۔ آتے ہی بولنے لگے۔

”بھائی جان! آپ کرکٹ بہت اچھی کھیلتے ہیں۔“

”اچھا!“ ہم خوش ہوئے۔

”چھکے خوب لگاتے ہیں۔“

اس پر ہم نے اسے پیار کرتے ہوئے اُس کی تعریف کی۔

”ہم نے تو سنا ہے یہ صفر پر آوٹ ہو جاتا ہے۔“ باجی نے اُسے چھیڑا۔

”نہیں تو، بھائی جان کوشش تو چھکا لگانے کی کرتے ہیں، مگر فیلڈر کیچ کر لیتا ہے۔“ یہ سن کر ہم کھسیانے ہو کر بیٹھ گئے۔

باجی کڑھائی کر رہی تھیں۔ ان کی کڑھائی پر جھک کر بولے۔ ”باجی، بیل بوٹے بہت اچھے نکالتی ہیں۔“

”آپ کو اچھے لگتے ہیں؟“ باجی نے مسکرا کر پوچھا۔

وہ معصومیت سے بولے: ”نہیں، وہ تو امی کہہ رہی تھیں۔ اور پھر فوراً ہی پکوڑوں والی پلیٹ اٹھا کر آپی سے کہنے لگے۔

”آپ کو پکوڑے بنانا آتے ہیں؟“

"نہیں۔" باجی نے جواب دیا۔

"اچھا!" (کندھے اچکا کر) "ویسے ان کی آسان سی ترکیب ہے۔"

"وہ کیسے؟" باجی نے پوچھا۔

"مجھے تو نہیں معلوم، امی کو معلوم ہو گی۔"

نہایت ہی تیز طرار بچہ تھا۔ ہم تو اس سے کترانے لگے تھے۔ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ آپ کی تعریف کر رہا ہے یا بدتعریفی۔ انہی دنوں ہم میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوئے تھے۔ ایک دن ظہر کی نماز میں اُس کے ابو سے مسجد میں ملاقات ہو گئی۔ ہم سے پوچھنے لگے۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"جی کچھ نہیں، سوچ رہا ہوں رزلٹ سے پہلے کمپیوٹر کورس کر لوں۔"

"میں بتاتا ہوں کیا کرو" ہاشی کے ابو کہنے لگے "تم ٹیوشن کیوں نہیں پڑھاتے۔ ماشاء اللہ ذہین اور ذمہ دار ہو۔"

ہم نے ان کی تعریف پر خوش ہونے کی غلطی نہیں کی کیوں کہ وہ ہاشی کے ابو تھے۔

"جی کوشش کرتا ہوں۔" ہم نے جان چھڑانے کی خاطر کہہ دیا۔

"کوشش نہیں برخوردار عمل کرو۔ لو ایک بچہ تو میں تمہیں دیتا ہوں۔ اپنا ہاشم ہے نا، اُسے پڑھا دینا۔"

ہمارے انکار یا اقرار کرنے سے پہلے ہی وہ ہمارے کندھے پر ہاتھ مار کر بولے۔

"تو پھر ٹھیک ہے، شام کو ہاشی تمہارے پاس آجائے گا۔ ریاضی پر ذرا زور دینا۔ ریاضی بہت کمزور ہے اُس کا۔"

ہم سوچ میں پڑ گئے کہ ہم ہاشی کو پڑھائیں گے یا وہ ہمیں!

شام کو ہاشی صاحب آئے۔ خوب تیل لگا کر کنگھی سے بال چپکائے ہوئے۔ نیلی نیکر، اورنج شرٹ اور کمر پر ننھا سا بیگ، وہ خوب جچ رہے تھے۔ ہم پہلے ہی سے بیٹھک میں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہمارے استاد صاحب آنے والے ہوں اور سچ پوچھیے تو ہم بیٹھک میں بیٹھے ہی اسی لئے تھے کہ صحن میں سب کے سامنے ہاشی کو نہ پڑھانا پڑے۔ مگر ریاضی میں ہاشی صاحب واقعی پھسڈی نکلے۔ سوال بار بار سمجھانا پڑتے اور جوابات ان کے ایسے کے ہم سر پکڑ کر رہ جاتے۔ ایک سوال لکھوایا۔

20 مرغیاں 20 دنوں میں 20 انڈے دیں تو 40 مرغیاں 40 دنوں میں کتنے انڈے دیں گی؟

جواب آیا: تقریباً 20 انڈے اور 20 چوزے۔ ساتھ وضاحت بھی لکھ دی کہ کچھ انڈوں سے چوزے بھی تو نکلیں گے۔ پورا ایک گھنٹا پڑھایا جاتا اور آخر پر ٹیسٹ کے لیے ایک سوال لکھوایا جاتا۔ ہاشی صاحب رقم لکھ کر بیس منٹ اس پر غور فرماتے۔ صفحے کے اُوپر دائیں کونے پر چند بیل بوٹے بناتے اور بڑی معصومیت سے کاپی ہمارے آگے رکھ کر کہتے۔

"بھائی جان! شروع میں تھوڑا سا بتا دیں، آگے میں کر لوں گا۔"

ایک دن ہم نے سمجھایا کہ کھانے پینے کی چیزیں جو گنی جا سکیں ان کو درجن میں گنتے ہیں۔ مثلاً مالٹے، انڈے، کیلے وغیرہ اور جو نہ گنی جا سکیں اُن کا وزن کلو میں ہوتا ہے۔ جیسے گھی، شکر اور دودھ وغیرہ۔ اگلے روز ہاشی ہم سے شکوہ کر رہے تھے۔

"بھائی جان! آپ نے بالکل غلط بتایا تھا۔ کل میں نے پھل والے سے ایک درجن انگور خریدنا چاہے تو اس نے میرا مذاق اڑایا حالانکہ انگور گنے جا سکتے ہیں۔" یہ سن کر ہم اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

ہاشی کی شرارتیں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایک روز دوپہر کے قریب وہ بھاگے بھاگے ہماری طرف آئے۔ ہاتھ میں زردے کی پلیٹ تھی۔ سیدھا باورچی خانے میں گئے اور امی جان سے کہنے لگے۔

"آنٹی! یہ امی نے بھیجی ہے۔ شام کو پلیٹ لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ صاحب کا بیٹا روتا ہوا آیا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ خواجہ صاحب نے میلاد کا ختم دلایا تھا۔ اُن کا لڑکا کسی اور گھر میں چاول دینے جا رہا تھا کہ راستے میں ہاشی صاحب نے پلیٹ چھین لی اور ہم پر احسان کر گئے۔ اتنی انوکھی شرارت پر ہماری تو ہنسی رکنے میں

نہیں آرہی تھی۔ ہم نے بعد میں سوچا کہ ہاشی کے کان کھینچنے چاہیں ورنہ وہ اسی طرح جھوٹ بولتا رہے گا۔

شام کو ہاشی سے ڈائٹ کر پوچھا۔

"یہ کیا حرکت کی تم نے؟" ارادہ تھا کہ ابھی اور بھی ڈانٹیں گے، مگر ہاشی نے منہ لٹکا لیا، فرش کو گھورنے لگے۔ ایک ہاتھ سے آہستہ آہستہ قمیض کا بٹن مروڑنا شروع کر دیا اور منہ لٹکا کر بولے۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ آپ کو پتا چل جائے گا۔" اس غیر متوقع جواب پر ہم مشکل سے اپنی ہنسی پر قابو رکھ سکے۔

"دیکھو ہاشی بھائی! جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض ہوتا ہے اور لوگ بھی اُس کی عزت نہیں کرتے۔ دیکھ لو ماسی نجاں کی عزت کون کرتا ہے۔ ہر ایک سے وہ جھگڑتی ہے۔ جھوٹ اتنے بولتی ہے کہ بچے بھی اُس کی بات کا یقین نہیں کرتے۔ پورا محلہ اسے "ماسی جھوٹی" کہتا ہے۔ جھوٹ بول بول کر اُس کا چہرہ کتنا سیاہ اور ڈراؤنا ہو گیا ہے۔ اگر آپ بھی جھوٹ بولو گے تو ماسی کی طرح منہ سیاہ ہو جائے گا۔"

ہمیں اُمید تھی کہ ہاشی صاحب اب جھوٹ بولنا چھوڑ دیں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔ انہوں نے پکا وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے اور سب کو اچھا بچہ بن کر دکھائیں گے۔

اگلے دن عجب تماشا ہوا۔ عین دوپہر کے وقت ماسی نجاں ہمارے گھر وارد ہوئیں اور ہمیں ایسی ایسی سنائیں کہ جیسی جیسی ہم نے ہاشی صاحب سے مثال کے طور پر کہیں تھیں۔ اُس روز ہم پر جو گزری سو گزری، مگر ایک بات کا یقین ہو گیا کہ ہاشی نے جھوٹ بولنا واقعی چھوڑ دیا ہے۔ اور اب ہماری خیر نہیں ہے کیوں کہ ان کے جھوٹ سے اُن کا سچ ہمارے لئے زیادہ مہلک ثابت ہوا تھا۔

چند دنوں کے لئے ہم نے بیماری کا بہانہ بنا کر ہاشی کو چھٹی دے دی اور رات دن سوچنے لگے کہ اس شریر بچے سے جان کیسے چھڑائی جائے۔ اِسی دوران ایک دن ہاشی کے ابو نے آکر ہمیں مبارک باد دی۔

"اختر بیٹا! تم نے تو جادو کر دکھایا، ہاشی نے جھوٹ بولنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور پڑھائی میں بھی بہت دل لگانے لگا ہے۔"

یہ جان کر ہم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہاشی کو بلا کو شاباش دیتے۔ شکر خدا کا انہی دنوں میٹرک کا رزلٹ آگیا اور ہم اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ہوسٹل میں چلے گئے اور یوں ہاشی سے ہماری جان چھوٹ گئی۔

مسکرانا منع ہے

☆ایک بچہ سکول لیٹ پہنچا تو استاد نے غصے سے کہا: "سکول لیٹ کیوں آئے ہو؟"

شاگرد: "جناب راستے میں کیچڑ بہت تھا۔ میں ایک قدم سکول کی طرف چلتا تو دو قدم گھر کی طرف ہو جاتا۔"

اُستاد: "تو پھر تم سکول کیسے پہنچے؟"

شاگرد: "جناب، میں پھر گھر کی طرف چلنے لگا۔"

☆ایک آدمی نے دُوسرے سے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "بھائی! بہت دکھ ہوا تمہارے ابا کے انتقال کا سن کر، انہیں کون سی بیماری تھی؟"

دُوسرا بولا: "بھائی بڑھاپا انہیں لے گیا۔"

پہلا بولا: "آہ! ہاں بھائی! یہ بہت خطرناک بیماری ہے، پچھلے دنوں کئی بچے اس خطرناک بیماری سے مر گئے تھے۔"

(موسیٰ عمران، لاہور)

رمشاء کے سامنے بیٹھی اُس کی کلاس فیلو ثریا آدھے گھنٹے سے مسلسل رو رہی تھی..... اب تو اُس کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔ رمشاء کے پاس ہم دردی کے تمام الفاظ بھی ختم ہو چکے تھے، لیکن ثریا کے آنسو تھے کہ تھمنے میں ہی نہیں آتے تھے..... شام کے سات بج رہے تھے..... ثریا کی امی بھی بڑی افسردہ بیٹھی تھیں۔ آہستہ آہستہ ثریا نارمل ہونا شروع ہوئی تو رمشاء نے سوالات پوچھنے کی ٹھانی۔ "تمہارے ابو تین دن سے لاپتہ ہیں۔ پولیس میں رپورٹ درج کروائی جا چکی ہے، ابھی تک اسے اغواء کا کیس اس لیے نہیں بنایا گیا کہ تم لوگوں کے پاس کسی اغوا کرنے والے کا فون نہیں آیا اور نہ ہی تم لوگوں کی کسی سے دشمنی ہے..... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انکل آخر گئے تو کہاں گئے؟ آنٹی آپ سے یہ سوال پوچھتے ہوئے گستاخی کی مرتکب ہو رہی ہوں، آپ کیا مجھے بتا سکتی ہیں کہ کہیں آپ کا اور انکل کا جھگڑا تو نہیں ہوا تھا؟" رمشاء نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، وہ تو ان دنوں بہت ہی خوشگوار موڈ میں رہتے تھے..... جھگڑے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ آج کل اپنی زرعی زمینوں کو بیچنے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے اس سلسلے میں مختلف لوگوں سے ملتے رہتے تھے....." ثریا کی امی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کو ان لوگوں کے نام اور پتے معلوم ہیں؟" رمشاء نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے سارے فون ان کے موبائل فون پر آتے تھے، بس ایک فون ایسا تھا جو اکثر گھر کے فون پر آتا تھا..... وہ صاحب تمہارے انکل کا پوچھ کر یا تو ان سے بات کر لیتے تھے یا اگر وہ گھر پر موجود نہیں ہوتے تھے تو پیغام چھوڑ دیتے تھے۔"

"کیا نام تھا اُن صاحب کا؟"

"انوار قریشی۔"

"اس کا نمبر آپ نے نوٹ کیا ہے۔"

"ہاں، پولیس نے CLI پر موجود تمام انجان نمبروں پر فون کیا تھا، لیکن انوار قریشی ہر دفعہ کسی نئے پبلک فون بوتھ سے فون کرتا تھا....."

"میرا شک انوار قریشی کی طرف ہی جاتا ہے..... لیکن اس کو پکڑنا اس لیے ممکن نہیں کہ وہ شخص ضرورت سے زیادہ چالاک ہے اور عین ممکن ہے وہ روپ بدلنے میں بھی ماہر ہو، اس لیے پی سی او سے جا کر معلومات حاصل کرنا بھی بے سود ہو گا....." رمشاء نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم تو پولیس سے مایوس ہو چکے ہیں۔ ثریا نے تمہارا ذکر اتنے یقین سے کیا کہ میں بھی اسی کے ساتھ چلی آئی..... ہمارا

یہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے..... گاؤں میں کچھ رشتے دار بستے ہیں، لیکن وہ انتہائی سادہ لوح ہیں..... پولیس کے نام سے ہی گھبرا جاتے ہیں..... ہماری آخری اُمید تم ہی ہو۔" ثریا نے تو رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان کر رکھا ہے۔

"یہ تو نظر ہی آرہا ہے، لیکن آپ فکر مت کریں خدا کچھ نہ کچھ راستہ دکھائی دے گا..... اب آپ نے میرا یہ کام کرنا ہے کہ انکل کے بینک اکاؤنٹس سے کسی بھی طرح ان کے بینک بیلنس کی رپورٹ مجھے لا کر دینی ہے کہ انہوں نے آخری دفعہ بینک سے کب رقم نکلوائی ہے اور کتنی نکلوائی ہے..... پھر آگے دیکھتے ہیں....."

"ہاں یہ تو میں کر لوں گی، بینک مینجر میری سہیلی کے شوہر ہیں۔ وہ کم از کم ہماری اتنی مدد تو کر ہی دیں گے۔" ثریا کی امی نے کہا۔

"اس کے علاوہ بھی آپ کو دو تین کام اور کرنے ہوں گے، میرا خیال ہے کہ مجرم کے گرد جلد از جلد گھیرا تنگ کرنا پڑے گا تاکہ وہ انکل کو نقصان نہ پہنچا دے۔" رمشاء نے جوش میں آتے ہوئے کہا۔

----☆☆----

ایک نو عمر لڑکی اور ایک عمر رسیدہ بزرگ بس سے اترنے کی تیاری کر رہے تھے..... بہت جلد اُن کا مطلوبہ سٹاپ آنے والا تھا۔ بس کنڈیکٹر نے بس رکوائی۔ وہ دونوں نیچے اترے تو سٹاپ پر دُور دُور تک کوئی نہ تھا۔ دُور ایک جیپ شاید خراب تھی اُس کا مالک اور ڈرائیور اُسے ٹھیک کرنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے..... وہ نو عمر لڑکی اور عمر رسیدہ بزرگ جو وضع قطع سے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے حیران پریشان سے اُس سٹاپ پر کھڑے اپنے میزبان کا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے میں اُن کے قریب آکر ایک ٹیکسی رُکی..... ڈرائیور نے پوچھا۔

"بزرگو! آپ کا نام سیٹھ الیاس تو نہیں؟"

"ہاں بیٹا! میں ہی سیٹھ الیاس ہوں، کیا تمہیں سلطان صاحب نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں! اُن کی گاڑی خراب ہو گئی تھی، آپ تشریف رکھیں۔ میں ابھی آپ کو ان کے ڈیرے پر پہنچا دیتا ہوں۔"

"اللہ تمہارا بھلا کرے۔"

پھر دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے..... ٹیکسی اونچے نیچے رستوں سے ہوتی ہوئی کافی دُور جا کر کچے میں اُتر گئی۔

"ارے بیٹا! یہ تم ہمیں کہاں لیے جا رہے ہو؟ سلطان صاحب نے تو کہا تھا کہ بس اسٹاپ سے صرف پانچ منٹ کا فاصلہ ہے۔ ہم تو آدھے گھنٹے سے تمہارے ساتھ ہیں، مگر دُور دُور تک ڈیرہ نظر نہیں آرہا..... یہ معاملہ کیا ہے آخر؟" بزرگ بولے۔

"ارے صاحب..... میں آپ کو اغواء کر کے نہیں لے جا رہا ہوں..... سلطان صاحب کا ڈیرہ بس اسٹاپ سے کافی دُور ہے انہوں نے یا تو آپ سے مذاق کیا ہے یا آپ نے غلط سنا ہے ابھی ہمیں مزید آدھے گھنٹے کا سفر کرنا ہے۔"

"ممکن ہے تم ٹھیک کہتے ہو، میں نے ہی غلط سنا ہو گا، عمر کا بھی تو کچھ تقاضا ہے نا۔" سیٹھ الیاس سرد آہ بھر کر بولے۔

"بھائی! اس علاقے کا کیا نام ہے۔" وہ نو عمر لڑکی پہلی دفعہ ڈرائیور سے مخاطب ہوئی۔

"اس علاقے کا نام شاداب پور ہے۔" ڈرائیور بولا۔

اس گفتگو کے بعد ان کے درمیان طویل خاموشی رہی یہاں تک کہ سلطان صاحب کا ڈیرہ آگیا۔

"لیجئے صاحب! آپ کی منزل آگئی۔"

"شکریہ۔" سیٹھ الیاس ٹیکسی سے اترتے ہوئے بولے۔

ڈیرے پر ہو کا عالم تھا..... نہ بندہ نہ بندے کی ذات..... ابھی وہ دونوں کھڑے حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ اُن کے سامنے بنے ہوئے دو کمروں میں سے ایک کمرے کا دروازہ کڑکڑاہٹ کی زوردار آواز سے کھلا..... اُس میں سے ایک لمبا سا آدمی برآمد ہوا وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اُن کی طرف بڑھا۔

"آیئے..... آیئے الیاس صاحب! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا..... اور یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟" اُس آدمی نے جو سلطان تھا، نو عمر لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری پوتی ہے..... میرے بڑھاپے کا سہارا..... میرے بیٹے کو تو کاروبار سے ہی فرصت نہیں ملتی..... دُوسرا وہ مجھے کچھ زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتا..... اسی لیے میں نے بھی اُسے اس ساری کارروائی سے بے خبر رکھا ہے..... میں چاہتا ہوں کہ میں اُسے دِکھادوں کہ اس عمر میں بھی میں ایک منافع بخش کاروبار کر سکتا ہوں..... یہ پوتی میرے ہر دُکھ سکھ میں ساتھ دیتی ہے..... میں جب گھر سے نکلنے لگا تو صرف اسی کو بتا کر آرہا تھا کہ میں کس سے ملنے جارہا ہوں اور کیوں..... تب اُس نے بھی ضد پکڑلی کہ میرے ساتھ چلے گی..... میں انکار نہ کرسکا..... کیا آپ کو اس کے آنے پر کوئی اعتراض ہے؟"

"نن..... نہیں تو..... آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔"

سلطان نے گڑبڑا کر کہا اور انہیں لے جا کر ایک کمرے میں بٹھادیا۔

"میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا، کوئی پندرہ منٹ بعد وہ کمرے میں داخل ہوا تو اُس کے ہاتھ میں شربت کے دو گلاس تھے۔ اُس نے بہت ادب کے ساتھ ان دونوں کو شربت پیش کیا اور پھر اُن کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آپ کا فیکٹری لگانے کا ارادہ بہت شاندار ہے۔ اس علاقے میں اور کوئی آٹے کی مل نہیں ہے۔ ہمارے صاحب بیرونِ ملک رہتے ہیں، آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اخبار میں آپ کا اشتہار پڑھ کر میں نے ان سے آپ کے منصوبے کا ذکر کیا تو وہ فوراً آپ سے ملنے کو تیار ہو گئے..... بس آپ میرے کمیشن کا دھیان رکھیے گا..... اور اس کا ذکر صاحب سے مت کیجئے گا..... میں آپ کو سونے کی زمین کوڑیوں کے مول دلوارہا ہوں..... آپ میری اس خدمت کا معاوضہ ضرور دیجئے گا....." سلطان خوشامدانہ انداز سے بولا۔

"آپ فکر نہ کریں۔" سیٹھ الیاس بول اٹھے۔

"ہمارے آباؤ اجداد نے ہمارے صاحب کے بزرگوں کی بڑی خدمت کی ہے، لیکن انہوں نے ہماری قدر نہیں کی..... آخر اُن کی زیادتیوں سے تنگ آکر میں نے ٹھان لیا کہ اُن کا کوئی بھی کام کرواتے ہوئے میں خود اپنا کمیشن نکلا کروں گا..... آخر ہمارا بھی تو کچھ حق ہے۔ اور یقین جانیں آپ سے ایک بار ہی فون پر بات ہوئی تو میں آپ کی انسان دوستی کا قائل ہو گیا۔ آپ میرے کام آئیے..... میں آپ کے کام کے لیے جی

جان لڑا دوں۔ آپ اپنی گاڑی میں یہاں کیوں نہیں آئے؟" سلطان نے اچانک سوال جڑ دیا۔

"ارے بھائی! میں نے بتایا ہے کہ میں اپنے اس پروگرام کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں..... اس لیے ڈرائیور کو ساتھ رکھنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اور خود میں اتنی لمبی ڈرائیو کر نہیں سکتا تھا....." سیٹھ الیاس نے سلطان کی تسلی کرواتے ہوئے کہا۔

"آپ میں سے سلطان کون ہے؟" اچانک ایک اجنبی کی آواز سن کر وہ سب چونک اٹھے..... سفید قمیض شلوار میں ملبوس ایک درمیانی عمر کا آدمی کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔

"جی فرمایئے، میں سلطان ہوں۔" سلطان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"مجھے جمیل کہتے ہیں۔" وہ اجنبی مسکرا کر بولا۔

"معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" سلطان نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"آج سے سات برس پہلے آپ کے سُسر صاحب کا موٹروے پر ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اُس وقت وہ لاوارثوں کی طرح سڑک پر پڑے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس بریف کیس میں سات آٹھ لاکھ روپیہ تھا، لیکن میں نے اُن پیسوں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ میں نے آپ کے سُسر صاحب کو ہسپتال پہنچایا..... اُن دنوں میرے پاس دولت کی ریل پیل ہوا کرتی تھی..... اور اب....." ابھی وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ سلطان بول اُٹھا۔

"ارے..... ارے.....یاد آیا..... میرے سسر صاحب اکثر آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کا ہم سب پر بہت احسان ہے۔" سلطان نے خوش دلی سے کہا اور اُس اجنبی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں بہت مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں..... آپ کے سسر صاحب نے بتایا تھا کہ آپ اس علاقے میں زمینوں کی دیکھ بھال یعنی مینجری کا کام کرتے ہیں۔ دراصل میں اس وقت بہت بُرے حالات سے گزر رہا ہوں۔ آپ کے سیٹھ صاحب یعنی عمران صاحب سے دُبئی میں ایک بار ملاقات ہوئی تھی، ہم ایک پارٹی میں ملے تھے..... وہاں میں نے اُس سے شرط لگا کر ایک کھیل کھیلا تھا۔ جسے "شغلِ فرانس" کہتے ہیں۔ میں اُس کھیل کا ماہر ہوں..... اس کھیل میں میری جیت یقینی ہوتی ہے جس سے میں ایک ہی نشست میں لاکھوں روپے جیت لیتا ہوں..... آج کل میرے مالی حالات نہایت خراب ہیں..... میں آپ کے ساتھ والے گاؤں آیا ہوا تھا تو پتہ چلا کہ ساتھ کی زمینوں کے مالک سیٹھ عمران دبئی والے ہیں۔ پھر مجھے آپ کا خیال آیا۔ میں ایک آس لے کر چل پڑا کہ اگر آپ کسی طرح میری ملاقات اپنے مالک سے کروا دیں تو میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں گا، میں اُن کے ساتھ دوبارہ "شغلِ فرانس" کی بازی لگاؤں گا..... اور لاکھوں روپیہ جیت جاؤں گا..... اور اس میں آپ کا کمیشن بھی معقول ہو گا..... یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہی رہے گی....." اُس نے بڑی عیاری سے کہا۔

"لیکن میرے صاحب ہارنے کے لیے کیوں کھیلیں گے؟" سلطان کشمکش کا شکار ہو کر بولا۔

"پہلے میں انہیں جتواؤں گا..... اور جب وہ پوری طرح میرے جال میں آجائیں گے تو میں اُنہیں ہراتا چلا جاؤں گا، یہ کھیل پہلے ہزاروں کی رقم سے شروع ہو گا اور چلتے چلتے لاکھوں پر پہنچ جائے گا..... آپ کے صاحب نے دبئی میں بھی اس کھیل میں خاصی دلچسپی دکھائی تھی..... اور مجھے باآسانی لاکھوں روپے دے دیئے تھے..... میرا خیال ہے کہ وہ ابھی بھی اس کھیل میں دلچسپی کا مظاہرہ کریں گے، لیکن اُن سے ملاقات شرط ہے۔" اجنبی اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"لیکن اگر ہم یہ جال بچھاتے بھی ہیں تو اب صرف میں ہی نہیں بلکہ یہ بزرگ بھی کمیشن میں برابر کے حصے دار ہوں گے..... یہ میرے دوست ہیں اور شہر سے تشریف لائے ہیں..... چونکہ یہ تمام باتیں ان کے سامنے ہو رہی ہیں تو اب اس راز میں یہ بھی شریک ہو چکے ہیں، میں ان کا حصہ بھی ان کو دلواؤں گا۔" سلطان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"نہیں صاحب..... مجھے آپ کے اس کھیل میں کوئی دلچسپی نہیں اور مجھے تو یہ کوئی جوا ٹائپ کی چیز لگ رہی ہے، میں

اس میں شامل کیسے ہو سکتا ہوں، آپ کا کھیل آپ کو مبارک ہو۔" سیٹھ الیاس نے خشک لہجے میں کہا۔

"ارے صاحب! یہ کیسے ممکن ہے..... اور میرا خیال ہے کہ ہم تو آپ کو کچھ دے ہی رہے ہیں..... اس میں آپ کے اعتراض کا کیا سوال اُٹھتا ہے..... میں اصول کا پابند ہوں..... دوستی میں اپنے دوستوں کی بھلائی کے بارے میں پہلے سوچتا ہوں..... اس لیے کمیشن تو آپ کو لینا ہی پڑے گا..... اس کو میری ضد ہی سمجھ لیں۔" سلطان اُن کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔

سیٹھ الیاس تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر بولے۔

"لیکن کھیل ہے کیا آخر؟"

"میرے پاس یہ کچھ پتھر ہیں۔" اجنبی نے رنگ برنگے کچھ کنکر نما پتھر میز پر رکھ دیئے۔

"اب میں سیٹھ عمران کو کہوں گا کہ میں دس ہزار روپے کی شرط لگاتا ہوں..... اور سامنے دس ہزار روپے رکھ دوں گا۔ وہ بھی اپنے دس ہزار روپے سامنے رکھ دے گا..... پھر میں اُسے کہوں گا کہ اس کنکر کی ڈھیری سے ایک مٹھی اُٹھا کر الگ رکھ دے..... وہ یہ کرے گا..... اس کے بعد میں اُسے کہوں گا کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر میں چار چار کنکر اس ڈھیری میں سے اُٹھا کر الگ رکھتا جاؤں تو آخر میں ایک کنکر باقی رہے گا یا دو..... وہ جتنی تعداد بتائے گا آخر میں وہی بچے گی..... لیکن آہستہ آہستہ میں شرط کی رقم کو بڑھاتا جاؤں گا اور پھر ایک ایسا مرحلہ آئے گا کہ رقم لاکھوں تک پہنچ جائے گی اور میں پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اچانک اُس وقت اُسے ہرا دوں گا....." وہ اجنبی شخص بہت پُر اسرار انداز میں ساری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

"بہت کمال کھیل ہے "شغلِ فرانس" لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آخری داؤ تم ہی جیتو گے۔" سیٹھ الیاس نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"بزرگو! اس بات کی گارنٹی بندہ ناچیز خود ہے..... یہ کھیل میں نے برسوں کھیلا ہے..... لیکن بس سیٹھ عمران جیسے شوقین اور دولت پھینک قسم کے انسان بہت کم ملے ہیں، عجیب شخص ہے کہ دبئی میں لاکھوں روپے ہار گیا، لیکن اس کے ماتھے پر بل تک نہیں آیا۔" وہ اجنبی بولا۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری ملاقات سیٹھ عمران سے کروا دیتا ہوں، لیکن اگر تم نے کوئی گڑ بڑ کی تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے....." سلطان نے کہا۔

اتنے میں اُس نو عمر لڑکی کا فون آگیا..... وہ کمرے سے باہر نکل کر فون پر بات چیت کرنے لگی اور پھر تھوڑی دیر میں واپس آگئی۔

پندرہ منٹ بعد سب نے باہر گاڑی کے رکنے کی آواز سنی۔ تھوڑی دیر بعد سیٹھ عمران اُن کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

سلطان نے سیٹھ الیاس کا تعارف سیٹھ عمران سے کروایا..... سیٹھ عمران نہایت ادب واحترام سے اُن سے ملا اور زمین کی تفصیلات انہیں بتانے لگا..... اس دوران اُس نے اجنبی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، وہ اجنبی بار بار پہلو بدلنے لگا تو سلطان نے اسے اشاروں ہی اشاروں میں تسلی رکھنے کو کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ میری زمینیں اس سے کہیں زیادہ قیمت میں بک سکتی ہیں، لیکن اس کے لیے مجھے انتظار کرنا ہو گا جو میں اس لیے نہیں کر سکتا کیونکہ دبئی میں میں نے ایک پلازے میں شراکت داری کر لی ہے..... اور مجھے رقم فوری طور پر دینی ہے..... آپ چونکہ ایک نیک کام کے لیے زمین خریدنا چاہتے ہیں تاکہ یہاں کے لوگوں کو روزگار بھی مل جائے اس لیے میں انکار نہیں کر سکتا..... آپ ایڈوانس میں دینے کے لیے کتنی رقم لائے ہیں؟"

"دس لاکھ روپے لایا ہوں۔" سیٹھ الیاس نے بریف کیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ پہلے زمینیں دیکھ لیں۔ پھر سودا بھی طے کر لیں گے..... میں دو گھنٹے بعد دوبارہ حاضر ہو جاؤں گا..... تب تک آپ اپنی تسلی کر لیں..... کاغذات کی تیاری میں دو تین دن لگ سکتے ہیں۔ تب تک چاہیں تو آپ ہمارے مہمان بن کر بھی رہ سکتے ہیں..... اچھا اب میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر سیٹھ عمران اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

اس کے کھڑے ہوتے ہی اجنبی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ سلطان نے حالات کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ میرے عزیز ہیں، آپ سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔"

"آپ کچھ دیکھے بھالے لگتے ہیں..... ارے ہاں یاد آیا..... شغلِ فرانس، واہ بڑے کمال کا کھیل ہے..... اچھا میں پھر کبھی آپ سے ملاقات کروں گا، اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"ارے صاحب! ذرا دیر تو تشریف رکھیں..... یقین جانیں بہت دُور سے آپ کے دیدار کو حاضر ہوا ہوں..... آپ شغلِ فرانس کی بس ایک آدھ بازی لگا لیجئے..... میرا بھی شوق پورا ہو جائے گا، میں نے آج تک آپ جیسا جی دار بندہ نہیں دیکھا....." اجنبی خوشامد پر اتر آیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں یہ رقم کسی اور کو دینے کے لیے لایا تھا۔" سیٹھ عمران نے اپنے بریف کیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ضروری تو نہیں کہ اس بار بھی میں ہی جیتوں..... ہو سکتا ہے کہ فتح آپ کا نصیب ٹھہرے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا،" چلو شغلِ فرانس کھیلتے ہیں، لیکن میں پہلے دس ہزار روپے کی بازی لگاؤں گا، تم رقم دکھاؤ۔" سیٹھ عمران بولا۔

"رقم حاضر ہے....." اجنبی نے اپنی جیب سے ہزار کے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس میں سے دس نوٹ علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

بزرگ اور وہ نو عمر لڑکی بہت غور سے یہ سب کارروائی دیکھ رہے تھے۔ کھیل شروع ہو چکا تھا..... ہزاروں کی رقم داؤ پر لگنے لگی اور سیٹھ عمران طے شدہ پروگرام کے مطابق جیتتا چلا گیا اور ساتھ ساتھ اُس کا لالچ بھی بڑھتا گیا۔

"آخری بازی 20 لاکھ کی لگے گی..... منظور ہے؟" سیٹھ عمران بولا۔ "جیتنے والے کو 40 لاکھ ملیں گے۔"

"منظور ہے....." اجنبی مایوس لہجے میں بولا۔

کھیل شروع ہوا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق آخری بازی اجنبی شخص جیت گیا۔

"میری رقم ابھی ادا کر دیجئے..... میں نے رات سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔" اجنبی شخص ہاتھ جھاڑتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

"میں رقم دینے کے لئے تیار ہوں، لیکن اصول کے مطابق تم اپنے 20 لاکھ روپے سامنے رکھو، تمہیں چالیس لاکھ روپے مل جائیں گے....." اب اجنبی شخص کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

وہ اپنی نشست سے اُٹھا اور سلطان کو اشارے سے باہر لے گیا۔ دونوں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

پھر انہوں نے بزرگ کو اشارے سے باہر بلایا اور کہا۔

"آپ اگر مہربانی کریں تو آپ کے دس لاکھ دیکھتے ہی دیکھتے بیس لاکھ میں بدل جائیں گے..... میرے پاس دو لاکھ ہیں اس آدمی کے پاس بھی سات لاکھ موجود ہیں..... ہم مل ملا کر کچھ کر لیتے ہیں....."

"لیکن میرے پیسے تو گھر ہیں۔" اجنبی بولا۔

"تو تمہارا انتظار کر لیں گے ہم۔" سلطان بے صبری سے بولا۔

"آپ مجھے تو معاف رکھیں۔" بزرگ بولے۔

"نہیں سر جی! ایسا مت کہو..... گھر آئی دولت کو یوں نہیں ٹھکراتے۔ آپ دس لاکھ کی بجائے بیس لاکھ گھر لے کر جاؤ گے تو بیٹا لاجواب ہو جائے گا۔" سلطان نے میٹھے انداز میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" بزرگ نے کہا۔

"یہ میرے دس لاکھ آپ رکھیں۔"

"پوری رقم 12 لاکھ فی الحال بنتی ہے..... ہم اسے سیٹھ عمران کو دکھاتے ہیں اور چند گھنٹوں کی مہلت مانگ لیتے ہیں۔"

وہ سب یہ طے کرتے ہوئے اندر آئے۔

"یہ بارہ لاکھ ہیں..... باقی رقم چند گھنٹوں میں آ جائے گی۔" سلطان نے رقم میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، جب باقی رقم آ جائے تو مجھ چالیس لاکھ لے جانا، میں کل تک کا تمہیں ٹائم دیتا ہوں۔" سیٹھ عمران نے فوراً وہ بارہ لاکھ روپے اُٹھا کر اپنے بریف کیس میں رکھ لیے اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

"رُک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" بزرگ کی غرائی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

تینوں آدمیوں کے رنگ فق ہو گئے۔ بزرگ کی پستول کا رُخ تینوں کی طرف تھا۔

"باہر پولیس نے تمہارے ڈیرے کو گھیر رکھا ہے..... ہمیں بہت دنوں سے تمہارے نوسر باز گروہ کی تلاش تھی۔ تم لوگ اسی طرح شریف لوگوں کو لوٹتے ہو..... جو آدمی پیسے دے دے اُس کی جان بخشی کر کے رفو چکر ہو جاتے ہو اور جو مزاحمت کرے اس کو بیگار کیمپ میں بھجوا دیتے ہو۔ جلدی بتاؤ اکرام اللہ کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے یا اسے بھی بیگار کیمپ پہنچا دیا ہے؟" بزرگ نے اپنی وگ اتار دی تھی اور انسپکٹر خورشید اپنی اصل شکل میں وہاں موجود تھے۔ رمشاء نے فون پر پولیس کو اندر داخل ہونے کا سگنل دے دیا، یہ لوگ وہی تھے جو جیپ خراب ہونے کا بہانہ کرتے ہوئے پہلے سے سٹاپ پر اپنی ٹیم کے ساتھ موجود تھے۔

رمشاء کو ثریا کی امی نے بتایا تھا کہ ثریا کے ابو کا آخری چیک گزشتہ روز کیش کرایا گیا ہے۔ رقم خاصی تھی، اس لیے منیجر نے اپنی نگرانی میں رقم اکرام اللہ کے بھیجے ہوئے آدمی کے حوالے کی تھی..... اس کا حلیہ اور آواز سلطان کے حلیے سے خاصی مماثلت رکھتی تھی..... دُوسری طرف رمشاء نے اخبار میں جعلی اشتہار دیا کہ ایک سیٹھ کو فیکٹری کے لیے زمین درکار ہے..... اس کے نتیجے میں آنے والی کالز کو ریکارڈ کیا گیا اور یہ آوازیں ثریا کی امی کو سنائی گئیں..... ایک آواز انوار قریشی سے ملتی جلتی تھی۔ اب صورت حال سامنے آچکی تھی۔ ان تینوں افراد نے پولیس کے "ڈرائنگ روم" میں اور بہت سی وارداتوں کا بھی اعتراف کر لیا..... اور بتایا کہ اکرام اللہ کو آج رات بیگار کیمپ شفٹ کیا جانا تھا، لیکن پولیس کی ریڈ ہو گئی۔ اکرام اللہ کو ایک بوسیدہ حویلی سے برآمد کر لیا گیا..... دُوسرے دن اخبارات رمشاء کی تعریفوں سے بھرے ہوئے تھے۔

ثریا کی امی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رمشاء کا شکریہ ادا کرنے آئیں اور بہت سے تحائف بھی لائیں جو رمشاء نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں اپنی نیکی کا اجر یہ تحائف لے کر ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ خدمت خلق انسان کا اولین فرض ہے اور اس فرض سے خوش اسلوبی سے سبکدوش ہونا ہی میرا سب سے بڑا تحفہ ہے۔

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وصال فرمایا تھا؟

i۔ جمعرات ii۔ پیر iii۔ بدھ

2۔ "سلطان الحدیث" کس صحابی رسولؐ کو کہا جاتا ہے؟

i۔ حضرت ابوہریرہؓ ii۔ حضرت زید بن ثابتؓ iii۔ حضرت حسان بن ثابتؓ

3۔ نمازِ کسوف کب پڑھی جاتی ہے؟

i۔ چاند گرہن ii۔ زلزلہ iii۔ سورج گرہن

4۔ آنکھوں کے لیے سب سے زیادہ کون سے وٹامن درکار ہوتے ہیں؟

i۔ وٹامن اے اور سی ii۔ وٹامن اے اور سی iii۔ وٹامن اے اور بی

5۔ امریکہ کے خلائی ادارے کا نام کیا ہے؟

i۔ سی آئی اے ii۔ ناسا iii۔ پینٹاگون

6۔ بلب میں کون سی گیس بھری جاتی ہے؟

i۔ کاربن مونو آکسائیڈ ii۔ نائٹروجن یا آرگن iii۔ ہائیڈروجن

7۔ پہاڑوں پر کھانے کی چیزیں کس چیز کی کمی کی وجہ سے دیر سے گلتی ہیں؟

i۔ درجہ حرارت ii۔ آکسیجن iii۔ ہوا کا دباؤ

8۔ ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے مقابلے کے لیے کس یورپی ملک سے مدد مانگی تھی؟

i۔ فرانس ii۔ جرمنی iii۔ اٹلی

9۔ کوئٹہ اور چمن کو ملانے والے درے کا نام کیا ہے؟

i۔ درہ بولان ii۔ درہ بابوسر iii۔ درہ کھوجک

10۔ "بیگمات کے آنسو" کس ادیب کی تصنیف ہے؟

i۔ علامہ راشد الخیری ii۔ خواجہ حسن نظامی iii۔ ڈپٹی نذیر احمد

جوابات علمی آزمائش فروری 2010ء

1۔ سورۂ نمل 2۔ دودھ 3۔ 1191ء 4۔ دل 5۔ 100 ڈگری 6۔ انڈونیشیا 7۔ کراچی 8۔ عطاء الحق قاسمی 9۔ سید مہدی شاہ 10۔ ہاکی۔

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ ماریہ حسن، لاہور (200 روپے کی کتب)

☆ عکاشہ شیخ، کراچی (175 روپے کی کتب)

☆ حسام ارشد، رحیم یار خان (125 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: محمد عثمان یونس شیخوپورہ۔ محمد عثمان ایبٹ آباد۔ شیخ محمد مبشر سلیم، فارحہ ظفر رحیم یار خان۔ بینش ظریف کراچی۔ انعم معراج، خدیجہ میر، زین العابدین، سید محمد خرم، آمنہ ظفر، فرحان حیدر، مریم طارق، سعدیہ جوہر، سمن محمود، فضہ نصیر، حمنی عظیم، مریم ندیم، موسیٰ عمران لاہور۔ رملہ صدیقی سرگودھا۔ سید منظر بلال سمندری۔ ہارون الرشید جہلم۔ محمد صہیب خالد، محمد عمیر مختار، حافظہ زینب طاہر فیصل آباد۔ عنیزہ لوہانی پشاور۔ عاقب سفیان بھکر۔ محمد آصف ریاض جھنگ۔ ربیعہ اقبال کراچی۔ توقیر انجم، فرخندہ عالم، مریم حمید، ماریہ عثمان، محمد عبداللہ اشرف گوجرانوالا۔ کائنات فاطمہ گجرات۔ محمد سردار، شہیر بیگ، رحمہ ابو ذر ملتان۔ عفیفہ بلقیس، عمارہ حسن، وجیہہ شبیر، ثاقب گل فراز، ماہین عنصر، رابیل حنا راول پنڈی۔ منابل ادریس کوئٹہ۔ ریحان علی صدیقی جہلم۔ عرفان خضر عباس گجرات۔ اِقراء شمس، محمد فرقان اجمل ڈیرہ اسماعیل خان۔ ماہ نور فاروق اوکاڑا۔ محمد آصف، عاقب جاوید سرگودھا۔ محمد عمر سعید۔ سدرہ فریال کندیاں۔ فرحین سلیم بہاول نگر۔ خرم خان میاں والی۔ شوکت علی اوکاڑا۔ محمد ابوذر میاں والی۔ جنید نعیم دیوان، احمد رضا حویلی لکھا۔ سارہ جاوید وہاڑی۔ حامد نسیم ایبٹ آباد۔ محمد عتیق الرحمان چکسواری۔ طیبہ جبین واہ کینٹ۔ عمر حیات وزیر، محمد ابراہیم شمالی وزیرستان۔ محمد آفتاب عالم کرک۔ طٰہٰ یسین حیدر آباد۔ صفورہ اصفی، نور فرید، خدیجہ فرید، ولید فرید کراچی۔ شنا ور حسین، اسلام آباد۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مارچ 2010

دماغ لڑاؤ

نام: _____

مقام: _____

پتا: _____

_____

دیر نہیں ہوئی

(اسد ریاض، لاہور)

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" شائلہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"میرے اللہ یہ سب کیا ہوگیا، میری پیاری روبینہ میری اچھی سہیلی۔"

"شائلہ! صبر کرو، آؤ ہسپتال چلتے ہیں۔" صائمہ بولی۔

"صائمہ! تم بہت بُری خبر سنانے میرے گھر آئی ہو، روبینہ کی صورت بار بار میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہی ہے، پیاری سی صورت۔"

"شائلہ! اب بس کرو، چلو میرے ساتھ، اللہ کارساز ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" صائمہ بولی۔

ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں جب شائلہ نے اپنی پیاری سہیلی روبینہ کی صورت دیکھی تو چیخ پڑی۔ اتنی بھیانک صورت، صائمہ نے اسے سہارا دیا۔ روبینہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تھی۔ شائلہ زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہ سکی۔ وہ جب باہر آنے لگی تو برآمدے میں روبینہ کی امی جان افسردہ کھڑی تھیں۔ شائلہ ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

"شائلہ بیٹی! دوپہر کے وقت باورچی خانے میں روبینہ کھانا پکانے میں مصروف تھی کہ اچانک آگ بھڑک اُٹھی، اِس سے قبل کہ وہ باورچی خانے سے باہر آتی آگ نے اُس کا چہرہ جھلسا دیا۔"

"آنٹی! ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟" شائلہ نے پوچھا۔

"ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ بینائی تو متاثر نہیں ہوئی البتہ چہرے کی جلد اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ اس کے ٹھیک ہونے میں کافی عرصہ لگے گا، بیٹی تم دُعا کرتی رہو۔"

اب شائلہ کا زیادہ تر وقت ہسپتال میں گزرنے لگا۔ ایک دن وہ وارڈ میں موجود تھی کہ ایک چیچک زدہ چہرے والی لڑکی ہاتھ میں گلدستہ لئے اندر آئی۔ دونوں کو اُسے پہچاننے میں ذرا بھی دُشواری نہیں ہوئی۔ یہ اُن کی کلاس فیلو رضوانہ تھی۔

"السلام علیکم۔" رضوانہ آتے ہی بولی۔

"وعلیکم السلام" دونوں یک زبان ہو کر بولیں۔

"روبینہ! کیسی ہو؟"

"بس ٹھیک ہوں۔"

"میری طرف سے پھول قبول کرو۔"

"شکریہ۔" روبینہ آہستگی سے بولی۔

رضوانہ تو عیادت کرنے کے بعد چلی گئی، مگر دونوں کو حیران کر گئی۔ دونوں خاموش تھیں۔ انہیں وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب رضوانہ پہلی بار ان کی جماعت میں آئی تھی۔ روبینہ اور شائلہ نے اُس کو ایک نظر دیکھ کر نعرہ بلند کیا تھا۔

"وہ آئی حسن کی ملکہ، خوب صورتی کی دیوی۔"

رضوانہ نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی، وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی۔ اب تو ہر لڑکی کی زبان پر تھا۔ "حسن کی ملکہ خوب صورتی کی دیوی۔" رضوانہ کا چیچک زدہ چہرہ اُس کے لیے مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔ تفریح کے وقت اُس کی حالت دیدنی ہوتی۔ دُوسری جماعتوں کی لڑکیاں بھی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے حسن کی ملکہ خوب صورتی کی دیوی کہہ کر قہقہہ لگاتیں۔ سکول میں ایک عجیب صورت حال

نے جنم لیا تھا۔ پرنسپل صاحبہ کی مداخلت پر لڑکیوں نے رضوانہ کو تنگ کرنا تو کم کر دیا تھا، مگر کوئی اس کے ساتھ دوستی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ رضوانہ اپنی ہی دُنیا میں مگن رہتی۔ دونوں کو رضوانہ کی کہی ہوئی ایک بات اب تک یاد تھی۔ دونوں لائبریری میں تھیں۔ رضوانہ بھی ایک کتاب کی تلاش میں وہاں موجود تھی۔ روبینہ نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"ارے حسن کی ملکہ۔" روبینہ کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے رضوانہ بولی۔

"تم جس حسن پر ناز کر رہی ہو اس کا کیا بھروسہ، یہ آج ہے کل نہیں، ایسی عارضی چیزوں پر ناز نہیں کرتے۔" رضوانہ نے آج پہلی بار کچھ کہا تھا۔ اس دن تو رضوانہ کی بات کو انہوں نے ہنسی میں اُڑا دیا تھا، مگر آج انہیں احساس ہوا تھا کہ اصلی خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔

"روبینہ! ہم کس قدر اندھیرے میں تھیں، خوب صورتی کا اُجالا تو رضوانہ کے پاس ہے، بظاہر چہرہ بدصورت، مگر دل اندر سے خوب صورت۔"

"تم نے درست کہا ہے، رضوانہ کا آج یہاں آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہم سے زیادہ خوب صورت ہے، وہ اچھی ہے، پیاری ہے، میں نے جس حقیقت کو جھلس جانے کے بعد پایا ہے کاش اس حقیقت کو پہلے جان لیا ہوتا۔"

"روبینہ! اب بھی دیر نہیں ہوئی، اب بھی اُجالا ہمارے پاس ہے۔" شائلہ نے کہا۔

"واقعی اب بھی دیر نہیں ہوئی، خوب صورتی کا اُجالا ہمارے پاس ہے یہی اُجالا ہمیں رضوانہ کے قریب لے جائے گا۔" روبینہ بولی۔

(پہلا انعام: 200روپے کی کتب)

وہ کون تھا؟

(محمد علی خان، لاہور)

"دادی، دادی کہانی سنائیں۔" حسن اور فاطمہ نے دادی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی شور مچایا۔

"اوہ....." دادی پریشان ہو کر بولیں: "آج تو میں کہانی سوچنا ہی بھول گئی، تم کل کہانی سن لینا۔"

حسن اور فاطمہ ضد کرتے ہوئے بولے: "نہیں دادی، ہمیں کہانی سنائیں، ہم کچھ نہیں جانتے۔"

دادی نے بے بس نظروں سے اپنے ساتھ بیٹھے سیٹھ امتیاز احمد کو دیکھا۔

"آج آپ ہی انہیں کوئی کہانی سنا دیں۔" دادی امتیاز صاحب سے بولیں۔

"بیگم! میں کون سی کہانی سناؤں، مجھے تو کوئی کہانی آتی ہی نہیں۔" سیٹھ صاحب بولے۔

"وہی کاشف والی۔" دادی مسکرا کر بولیں۔

"دادا جان، ہمیں بھی بتائیں کاشف والی کون سی کہانی ہے۔" حسن بولا۔

"دادا جان! آج آپ ہمیں کہانی سنائیں۔" فاطمہ نے کہا۔

دادا جان کچھ سوچ کر بولے۔

"تو بھئی! ایک کہانی سنو۔ کاشف ایک غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ وہ چار بہن بھائی تھے۔ وہ سب سے بڑا تھا۔ کاشف ایک محنتی بچہ تھا۔ وہ کلاس میں ہمیشہ اول آتا۔ میٹرک کا امتحان بھی اس نے اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ یہاں تک کہ اس کا گورنمنٹ کالج میں داخلہ ہو گیا۔

ایک دن کاشف کے ابا نے کہا: "بیٹا! جیسا کہ تمہیں پتا ہے کہ میں ایک غریب آدمی ہوں۔ مزدوری کر کے گھر چلاتا ہوں۔ تمہیں میٹرک تک تو میں نے جیسے تیسے کر کے پڑھا لیا مگر اب تمہیں پڑھانا میرے بس کی بات نہیں۔ تمہاری دو بہنوں کا بوجھ بھی میرے سر پر ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ نوکری کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ یا پھر خود کما کر اپنی پڑھائی جاری رکھو۔"

آخر بڑی سوچ بچار کے بعد کاشف نے اپنا فیصلہ ابا کو بتایا۔

"ابا جان! میں پڑھائی جاری رکھوں گا میں اپنا خرچ خود اٹھاؤں گا۔ آپ کو بس چند سال اور محنت کرنا پڑے گی۔ پھر میں جب اپنی پڑھائی مکمل کر لوں گا تو پیسہ کما کر اپنی بہنوں کی شادی کروں گا۔"

کاشف کے کالج کھلنے میں ابھی دو ڈھائی ماہ باقی تھے۔ اس عرصے میں وہ دن بھر ایک دُکان پر ملازمت کرتا اور شام سے رات تک دو جگہ ٹیوشن پڑھاتا۔ دو ڈھائی ماہ میں اس کے پاس کچھ رقم جمع ہو گئی تھی۔ اس عرصے میں اُس نے ایک سیکنڈ ہینڈ سائیکل خرید لی۔ جب کالج میں پڑھائی شروع ہوئی تو اس نے دُکان کی ملازمت چھوڑ دی اور ٹیوشن پر گزارا کرنے لگا۔ کاشف کو کمپیوٹر سٹڈیز سے خاص لگاؤ تھا۔ اس کو جب بھی وقت ملتا وہ اپنے دوست فراز کے کمپیوٹر پہ کام کرتا۔ فراز بھی کاشف کی صلاحیتوں کو جانتا تھا اور اس کی بھرپور مدد کرتا۔

ایک دن فراز نے کمپیوٹر کے حوالے سے ایک کتاب کاشف کو دی۔ یہ کتاب کاشف کے لیے ایک خزانہ ثابت ہوئی۔ اس میں کمپیوٹر کی پوری معلومات تھیں۔ ان معلومات کو استعمال کر کے کاشف نے فراز کے کمپیوٹر پر انٹرنیٹ میں مختلف تجربات کیے اور کامیاب رہا۔ اس کتاب کے مطالعے سے کاشف کمپیوٹر کے متعلق اتنا کچھ جان گیا کہ اسے ایک کمپیوٹر کی دُکان پر ملازمت ملی گئی۔ اب کاشف دن بھر ملازمت کرتا اور رات کو اپنی دُکان سے لائے ہوئے بے کار کمپیوٹر کے پرزوں سے مختلف کام کرتا رہتا۔ دراصل کاشف ایک نیا کمپیوٹر بنانے میں مصروف تھا، جس کی یادداشت اب تک بنائے گئے تمام کمپیوٹروں سے زیادہ ہو۔ کاشف اس تجربے میں بارہا ناکام رہا مگر اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

آخر خدا نے اس کی مدد کی اور وہ ایک جدید کمپیوٹر بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ کاشف نے اس کمپیوٹر کا اشتہار انٹرنیٹ پر دیا تو مارکیٹ میں کاشف کا کمپیوٹر ہاتھوں ہاتھ بکا۔ اسی طرح کاشف پر قسمت کے دروازے کھل گئے۔ مختلف کمپنیوں نے کاشف سے معاہدے کیے کہ وہ ان کے لیے ایسے کمپیوٹر بنائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کاشف نے اپنی ایک علیحدہ کمپنی بنائی اور دولت مند ہو گیا۔ اب اس کا شمار امیر لوگوں میں ہونے لگا۔ اُس نے اپنی بہنوں کی شادی دھوم دھام سے کی۔ کاشف آج بھی اس کتاب اور اپنے دوست فراز کو نہیں بھولا جس نے مصیبت کے وقت اس کا ساتھ دیا تھا۔"

"دادا جان! کیا آپ کاشف کو جانتے ہیں؟" حسن بولا۔

"بیٹا! اس کا جواب تم اپنے ابو سے پوچھو۔" دادا جان مسکرا کر بولے۔ دونوں بچے دوڑتے ہوئے اپنے ابو کے پاس پہنچے اور ان کو کہانی سنا کر کہا۔

"ابو! یہ کاشف اور فراز کون ہیں؟"

ان کے ابو مسکرا کر بولے: "بیٹا! کاشف اور فراز کوئی اور نہیں تمہارے دادا اور ان کے دوست داؤد ہیں۔"

"ہمارے دادا کا نام تو امتیاز احمد اور ان کے دوست کا نام تو انکل داؤد ہے۔" فاطمہ تعجب سے بولی۔

ابو نے جواب دیا: "تمہارے دادا کا پورا نام امتیاز احمد کاشف اور انکل داؤد کا پورا نام داؤد فراز علی ہے۔"

(دُوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

غلطی

(محمد ریحان صفدر، ڈیرہ غازی خان)

منظور الٰہی چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، اُسے سائیکل چلانے کا بہت شوق تھا۔ اُس کی والدہ اسے بہت سمجھاتی تھیں کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، مگر منظور الٰہی کا بس چلتا تو وہ ہر وقت سائیکل ہی چلاتا رہتا۔ جب دوپہر کے وقت سب گھر والے کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹتے تو وہ چپکے سے سائیکل نکال کر باہر چلا جاتا۔ امی جان اُسے ہدایت کرتیں کہ سڑک پر ہر گز سائیکل نہ چلانا، صرف گھر کے پاس ہی سائیکل چلایا کرو، مگر منظور الٰہی ہر بار ان کی بات سنی ان سنی کر دیتا اور چپ چاپ سائیکل لے کر سڑک پر چلا جاتا۔ سڑک پر سائیکل چلا کر نہ جانے اسے کیا مزا آتا تھا۔

ایک دوپہر منظور الٰہی کا دوست الیاس اُس کے پاس آیا۔ اُس نے کہا: "چلو میں بھی اپنی سائیکل لایا ہوں، تم بھی اپنی

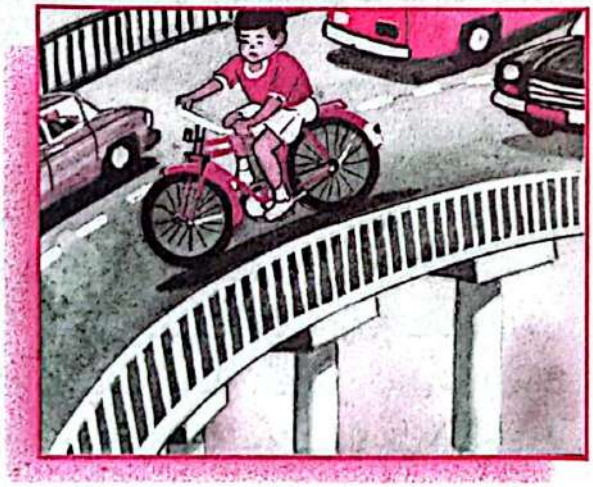

سائیکل لے آؤ مل کر ریس لگاتے ہیں۔"

منظور الٰہی نے چپکے سے سائیکل اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ دونوں دوست تیز تیز سائیکل چلا کر آپس میں ریس لگانے لگے۔ منظور الٰہی کے دماغ میں نہ جانے کیا آیا اُس نے سائیکل کا رخ پل کی طرف کر دیا اور تیزی سے سائیکل چلاتے ہوئے پل کے اُوپر چلا گیا۔ الیاس اُسے آوازیں دیتا رہ گیا کہ اُدھر نہ جاؤ، لیکن منظور الٰہی نے الیاس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اچانک پل پر تیزی سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی، منظور الٰہی کو اپنی سائیکل دُوسری طرف لے جانے کا موقع ہی نہ مل سکا اور گاڑی اُس کی سائیکل کو ٹکر مارتے ہوئے آگے نکل گئی۔ منظورالٰہی کی سائیکل اور وہ اچھل کر دُور جا گرے۔ اُسے شدید چوٹیں آئیں۔ اُس کی دائیں ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔ اس کی والدہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ منظور الٰہی کی ایک پل کی غلطی نے پورے گھر کو پریشان کر دیا تھا۔ اُس کی والدہ نے روتے ہوئے اُس سے کہا۔

"تمہیں کتنی بار منع کیا تھا کہ سڑک پر سائیکل نہ چلایا کرو، تمہیں آج اُسی غلطی کی سزا ملی ہے۔"

اس نے اپنی والدہ سے وعدہ کیا کہ وہ جب تک بڑا نہیں ہو جاتا سائیکل سڑک پر لے کر نہیں جائے گا۔

(تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

حق

(اکبر علی، پشاور)

جب سورج غروب ہونے لگا تو پندرہ سالہ بلال خان ٹیلے سے اتر کر اپنے ریوڑ کی طرف بڑھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی لاٹھی لہراتے ہوئے کہا۔

"چلو میری پیاری بکریو..... اب گھر چلو۔"

اسے بکریوں کو یہاں لاتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ وہ دن اس کو اب تک یاد تھا جب گاؤں کے چند آدمی اُس کے ابو جان کو اٹھا کر گھر لائے تھے۔

"بہن! یہ ٹیلے کے قریب بے ہوش پڑے تھے، ہم انہیں حکیم صاحب کے پاس لے کر گئے مگر....." جلال خان اپنی بات مکمل نہ کر سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بلال کی امی جان نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ کفن دفن کے بعد وہ خاموشی سے برآمدے میں بیٹھا تھا کہ امی جان نے ایک لاٹھی اُسے تھماتے ہوئے کہا۔

"اب بکریوں کے ریوڑ کے تم رکھوالے ہو۔"

اس نے فوراً لاٹھی پکڑ لی اور اپنی امی جان کا سہارا بن گیا۔ اسے یوں تو بکریاں لانے لے جانے میں کوئی دقت نہ تھی مگر شدید سرد موسم میں وہاں چارے کی خاصی قلت ہو جاتی تھی۔ ٹیلے کی دُوسری طرف مہران خان کے کھیت تھے چونکہ خود اس کے پاس کافی مویشی تھے اس لیے وہ چارہ دوسروں کو فروخت نہیں کرتا تھا۔

ایک صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو رات کی شروع ہونے والی بارش اب تک جاری تھی۔ خراب موسم میں اُس نے بکریوں کو باہر نہ لے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر بکریوں کے لیے چارہ لینے کے لیے باہر کی طرف بڑھا۔ جب وہ گھر لوٹا تو اس کے کندھے پر تازہ چارے کا گٹھا تھا۔ بکریوں کو چارہ ڈال کر وہ دودھ دوہنے میں جت گیا۔ دودھ دوہنے کے بعد وہ دودھ کی بالٹی باورچی خانے میں لایا تو امی جان پراٹھے پکانے میں مصروف تھیں۔

"بیٹے! چارہ کہاں سے لائے ہو؟" امی جان نے پوچھا۔

"امی جان! مہران خان کے کھیت سے لایا ہوں۔"

"مہران خان تو چارہ کسی کو بیچتا نہیں، کہیں تم۔"

"ہاں امی جان میں مہران خان سے اجازت لئے بغیر یہ چارہ لایا ہوں، اُس کا کھیت تو چارے سے بھرا پڑا ہے میرے اتنے سے چارہ لانے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔" یہ سن کر امی جان بولیں۔

"میرے! بیٹے چارہ لانے سے مہران خان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا، مگر ہمیں بہت فرق پڑے گا یہ چارہ جب تک ہماری بکریوں کے پیٹوں میں رہے گا تب تک ان کا دودھ ہمارے لیے حرام ہو گا۔ ان کے دودھ پر اب مہران خان کا حق ہے۔ یہ دودھ کی بالٹی اٹھاؤ اور مہران خان کو دے آؤ۔"

بلال خان نے بغیر کچھ کہے دودھ کی بالٹی اٹھا کر پہلے چارے پھر بکریوں اور آخر میں امی جان کی طرف دیکھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ امی جان نے معمولی بات کا احساس دلا کر مجھے بھٹکنے سے بچالیا ہے۔

(اعزازی تحریر)

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟
اِس بار بھی رسالہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں اور سلسلے اچھے تھے۔ خاص طور پر پیارے نبیؐ کی پیاری عادات، خواب سے تعبیر تک، قلعہ روہتاس اور جہنم تھا وہ جزیرہ کہانیاں بہت اچھی تھیں۔
(اِقراء شمس، ڈیرا اسماعیل خان)

انکل! اس مرتبہ سرورق بہت اچھا تھا۔ پیارے نبیؐ کی پیاری عادات، تلاش، خواب سے تعبیر تک، یہ تو میرے چوزے ہیں، شکار ہوا ڈشوار اور جہنم تھا وہ جزیرہ بہت اچھی تحریریں تھیں۔
(رانا نعمان فاروق، صبا شوکت اوکاڑا)

فروری کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ تعلیم و تربیت میں تبدیلیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے یہ اِسے خوب سے خوب تر بنا رہا ہے۔ اس مرتبہ "قلعہ روہتاس" اور "خواب سے تعبیر تک" بہت اچھی تحریریں تھیں۔ (محمد مبین احمد، ساہی وال)

فروری کا شمارہ 30 جنوری کو ایک خوب صورت اور دل کش سرورق کے ساتھ ملا۔ درسِ قرآن وحدیث اور نعتِ رسول مقبولؐ پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ انکل! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ تعلیم و تربیت میں جتنی تحریریں شائع ہوتی ہیں کیا وہ قرعہ اندازی کے ذریعے جگہ پاتی ہیں یا آپ انہیں منتخب کر کے جگہ دیتے ہیں؟ (خضر حیات، روڈا تھل)

☆ تحریروں کا انتخاب معیار کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

انکل! میں تعلیم و تربیت نومبر 2006 سے پڑھ رہی ہوں۔ فروری میں سب کہانیاں اچھی تھیں۔ تلاش ایک بہترین کہانی تھی۔ میں آپ کو "اقوال زریں" بھیج رہی ہوں پلیز ضرور شائع کیجئے گا۔ (سمیرا رشید مغل، گوجرانوالا)

تعلیم و تربیت فروری 2010ء کا شمارہ ایک بک اسٹال سے خرید کر پڑھا۔ خوب صورت سرورق کے ساتھ ہر مضمون اور کہانی اپنی مثال آپ ہے۔ سب سے دلچسپ صفحہ "بلاعنوان" کارٹون کا تھا۔ (عدیر حسین، باسط علی، عابد علی چترال)

اس دفعہ شمارہ بہت زبردست تھا۔ اپریل فول کے حوالے سے کہانی بھیج رہا ہوں اگر اشاعت کے قابل ہوئی تو ضرور شائع کیجئے گا۔ (سید منظر بلال حسین شاہ، سمندری)

☆ کہانی اچھی ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی۔

ڈیئر انکل! فروری کا شمارہ 31 جنوری کو ملا۔ سرورق پر موجود اسکاؤٹ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی زبردست تھا۔ کہانیوں میں "تلاش" "خواب سے تعبیر تک" اور "امتحان" زبردست تھیں۔ (محمد آصف ریاض، جھنگ)

تعلیم و تربیت مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ اِس کی کہانیاں اور نظمیں مجھے بہت پسند ہیں۔ (عثمان علی، راول پنڈی)

فروری کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ قلعہ روہتاس معلوماتی تحریر تھی۔ داؤدی علمی آزمائش کا نیا انداز اچھا لگا۔ (احمد سلمان ملک، وزیر آباد)

فروری کا شمارہ چمکتا دمکتا ہوا ملا۔ درسِ قرآن وحدیث اور پیارے نبیؐ کی پیاری عادات "یہ تو میرے چوزے ہیں، پھر یوں ہوا اور یہ ہے بچوں کی دُنیا بہترین تحریریں تھیں۔ سلسلہ "جنگل سے جنگل تک" ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ رسالے میں جابجا چھوٹی چھوٹی تحریریں رسالے کو مزید خوب صورت بنا دیتی ہیں۔ نعیم شاہد کی "میں ہوں فرسٹ پوزیشن" طالب علموں کے لئے

اچھی تحریر تھی۔ (ہادیہ رحمٰن، جھنگ)

تعلیم وتربیت ہماری اخلاقی اور ذہنی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ تعلیم وتربیت دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ (اقصیٰ، صبا، ثاقب، ابرار جلال پور جٹاں)

سلسلہ "مفید مشغلے" میں بہترین ویب سائٹس کے بارے میں معلوم ہوا۔ یہ سلسلہ جاری رکھیے گا۔ (کائنات فاطمہ، گجرات)

فروری کے شمارے میں مجھے اداریہ، درسِ قرآن و حدیث، نعتؐ، پیارے نبیؐ کی پیاری عادات تحریریں بہت اچھی لگیں۔
(محمد ریحان صفدر، ڈیرہ غازی خان)

فروری کا شمارہ ملا تو ہم خوشی سے پھولے نہیں سمائے۔ معلوماتِ عامہ کا سلسلہ شروع کرنا اچھا فیصلہ ہے اس سے ہمیں تعلیمی میدان میں مدد ملے گی۔ اس مرتبہ پھر یوں ہوا، تلاش، جہنم تھا وہ جزیرہ اور یہ تو میرے چوزے کہانیاں بہت پسند آئیں۔
(عاقب زیب، ایبٹ آباد)

کہانیوں میں تلاش، شکار ہوا دشوار، یہ ہے بچوں کی دُنیا اور جہنم تھا وہ جزیرہ بہت پسند آئیں۔ (نور محمد سرکانی، فریاد علی، ڈی جی خان)

اس بار تلاش اور شکار ہوا دُشوار کہانیاں پسند آئیں۔ سہیل عباس کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ داؤدی علمی آزمائش کا نیا اسٹائل بہت پسند آیا۔ کیا ہم ایک صفحے پر بلاعنوان کے کئی عنوان لکھ کر بھیج سکتے ہیں؟ (محمد ضیغم سردار، ملتان)

☆ بھیج سکتے ہیں۔

فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ کہانیوں میں امتحان، بھیجا، یہ تو میرے چوزے ہیں، تلاش اور خواب سے تعبیر تک بہت اچھی تھیں۔ (فرخندہ عالم بٹ، گوجرانوالا)

میں تعلیم وتربیت بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں اس سے بہت کچھ سیکھتا ہوں۔ اس سے میری معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ (مدثر شہزاد، گڑھا موڑ)

فروری کا شمارہ بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں پھر یوں ہوا اور خواب کی تعبیر تک بہت اچھی تھیں۔ بچوں کو ان کہانیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ (ہارون الرشید، جہلم)

فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح ہٹ تھا۔ خاص طور پر سرورق تو بالکل فٹ تھا۔ آپ پسندیدہ اشعار کے سلسلے میں سب سے اچھے شعر کو نمایاں لکھا کریں۔ (سلمیٰ صفی، ٹمن)

میں کافی عرصے سے تعلیم وتربیت پڑھ رہی ہوں۔ آپ "او جھل خاکے" کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔ (نور فاطمہ، راول پنڈی)

فروری کے شمارے میں مجھے کہانیاں یہ تو میرے چوزے ہیں اور یہ ہے بچوں کی دُنیا بہت پسند آئیں۔ (آشیانہ زینب، پی)

میرے خیال میں کچھ عرصے بعد تعلیم وتربیت میں کچھ تبدیلی ضرور ہونی چاہیے اس طرح قارئین بور نہیں ہوتے۔
(محمد نشیل سرور، سرگودھا)

☆ ہم تعلیم وتربیت میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس شمارے سے "بچوں کا انسائیکلو پیڈیا" کا نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، آپ کو یہ تبدیلی کیسی لگی ہے؟

فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ میں بچپن سے تعلیم وتربیت پڑھتا آرہا ہوں۔ تازہ شمارے میں خواب سے تعبیر تک کہانی زبردست تھی۔ یہ کہانی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ (اشفاق احمد، الٰہ آباد)

فروری کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ رسالہ بہت پرفیکٹ جارہا ہے۔
(حافظ محمد فرخ حیات، پیر محل)

فروری کا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ کہانیوں میں "بھیجا" "امتحان" اور "پھر یوں ہوا" اچھی تھیں۔ سلسلہ "مفید مشغلے" بہت مفید ہے۔ (ضیاء الرحمٰن ضیاء، ساہی وال)

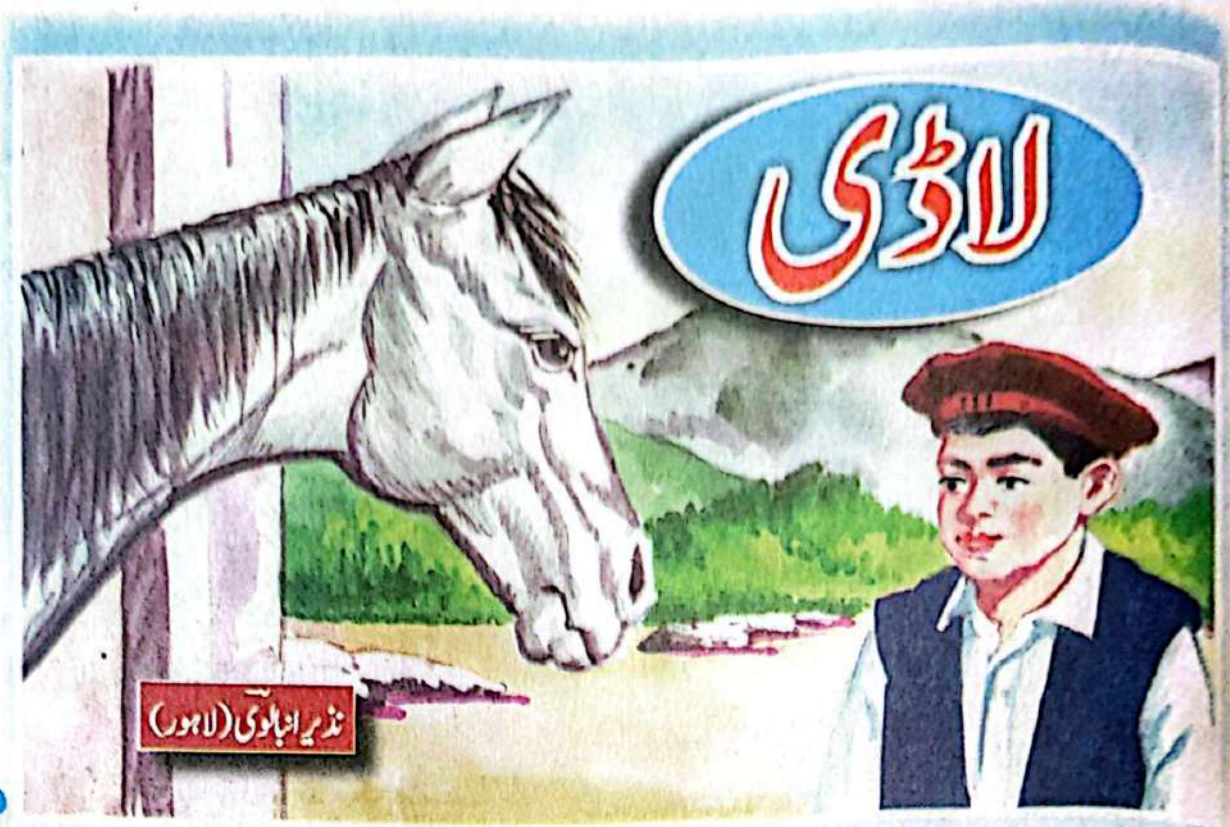

لاڈی

نذیر انبالوی (لاہور)

عثمان گلے میں بستہ ڈالے کمرے سے نکلا تو اُس کے بابا اصطبل میں گھوڑی کی مالش کرنے میں مصروف تھے۔

"آج تو لاڈی کی کچھ زیادہ ہی خدمت ہو رہی ہے۔" عثمان اصطبل میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"بیٹا! لاڈی ہم سب کی خدمت کرتی ہے، سارا دن مسافروں کو پتھریلے اور ناہموار راستوں پر سیر کراتی ہے، یہی تو ہماری روزی کا ذریعہ ہے، اِس کی خدمت نہ کروں تو پھر کس کی خدمت کروں؟"

عثمان کے بابا جمال نے جواب دیا۔

"بابا! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لاڈی ہماری بہت خدمت کرتی ہے۔ اچھا لاڈی میں اب سکول جا رہا ہوں۔ تمہارے لئے سکول سے واپسی پر برفی لاؤں گا۔ مجھے پتہ ہے تمہیں برفی بہت پسند ہے۔"

عثمان پہاڑی سلسلوں کے دامن میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں شاداب نگر میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ اپنے والدین کی آنکھوں کا تارا تھا۔ گاؤں سے تھوڑے فاصلے پر سرکاری ریسٹ ہاؤس تھا جس میں ملکی اور غیر ملکی سیاح آکر قیام کرتے تھے۔ شاداب نگر کے مکینوں کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہی سیاح تھے، اکثر لوگوں نے اپنے گھروں میں گھوڑے اور گھوڑیاں پال رکھی تھیں۔ سیاح پیسے دے کر گھڑ سواری کرتے اور اِس خوب صورت علاقے کی سیر کرتے۔ حکومت نے لوگوں کے مطالبے پر گاؤں میں شفاخانہ حیوانات بھی بنا دیا تھا۔ دُوسرے لوگوں کی طرح عثمان کے گھر میں بھی ایک گھوڑی تھی۔ سب گھر والے اُسے لاڈی کہتے تھے۔ بابا جمال نے عثمان کو بتایا تھا کہ اس کی اور لاڈی کی عمر برابر ہے۔

عثمان کے ابو صبح کے وقت ریسٹ ہاؤس کے باہر لاڈی کو لے کر کھڑے ہو جاتے۔ انہیں وہاں کوئی نہ کوئی سیاح ضرور مل جاتا تھا۔

ایک صبح وہ اپنی گھوڑی کو لیے ریسٹ ہاؤس کے باہر کھڑے تھے کہ ریسٹ ہاؤس کی سیڑھیوں سے چند بچے اپنے والدین کے ساتھ نیچے اترتے دکھائی دیئے۔ اپنے گاہکوں کو دیکھ کر جمال کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ انہوں نے لاڈی کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"لاڈی! مسافر آگئے ہیں، انہیں سیر کروانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" یہ سن کر لاڈی اس طرح ہنہنائی جیسے ساری بات سمجھ گئی ہو۔

"ڈیڈی..... ڈیڈی! ہم گھوڑے کی سواری کریں گے۔" بچے لاڈی کے قریب آکر چلائے۔

"بیٹا! یہ بہت خطرناک سواری ہے، تم گر جاؤ گے۔" ڈیڈی بولے۔

"ڈیڈی! ہم گھوڑے کی سواری کریں گے۔" بچے برابر ضد کرتے رہے۔

"بابو جی! آپ فکر نہ کریں۔ میری لاڈی ان اونچے نیچے راستوں سے خوب واقف ہے۔"

"لاڈی....." انہوں نے دہرایا۔

"جی صاحب! لاڈی میری گھوڑی کا نام ہے۔"

"بہت خوب صورت نام ہے، اچھا چلو اب تم جلدی سے بچوں کو لاڈی کی سواری کروادو۔"

تھوڑی دیر بعد جمال بچوں کو لاڈی پر سیر کروانے میں مصروف تھے۔ لاڈی نے ایک ڈھلوان سے اترتے ہوئے جھرجھری لی اور اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ بچے گرنے کے خوف سے چیخنے چلانے لگے۔ جمال نے اپنے ہاتھ میں پکڑا چابک لہرایا تو لاڈی ہاتھ سے باگ چھڑا کر تیزی سے ڈھلوان میں اترنے لگی۔ بچوں کی چیخیں سن کر ان کے ڈیڈی بھی ڈھلوان کی طرف بڑھے۔ جمال کے قدم بھی تیزی سے اُس جانب اٹھ گئے۔

لاڈی پر سوار بچے چیخ وپکار کر رہے تھے۔

"ڈیڈی! ہمیں بچائیں، ہم گر جائیں گے۔ ڈیڈی ہمیں بچائیں۔"

لاڈی ایک طرف سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ جمال اور ڈیڈی اس کے تعاقب میں تھے۔ جب ڈھلوان ختم ہوئی تو دونوں بچے دھڑام سے نیچے گر گئے۔ بچے جہاں گرے تھے وہاں گھاس ہونے کی وجہ سے وہ زخمی ہونے سے بچ گئے تھے۔ ڈیڈی نے دونوں کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ گر جاؤ گے۔"

بچے ابھی تک خوف زدہ تھے۔ لاڈی بھاگتے بھاگتے ایک جگہ جا کر رک گئی تھی۔ جمال نے لاڈی کی باگ پکڑ کر اُس کی چابک سے خوب مرمت کی۔

"اگر بچوں کو کچھ ہو جاتا تو پھر اس کا ذمہ دار میں ہی ٹھہرتا، تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟"

یہ کہتے ہوئے جمال چابک سے اس کی مرمت کرنے میں مسلسل مصروف تھے۔

"قصور اس بے زبان کا نہیں ہے۔" ڈیڈی نے جمال کو مخاطب کیا۔

"تو پھر قصور کس کا ہے؟"

"قصور وار میرے بچے ہیں، فرحان کے سوئی چبھونے کی وجہ سے لاڈی بے قابو ہوئی تھی۔"

فرحان سر جھکائے ایک طرف کھڑا تھا۔ ڈیڈی نے جمال سے معذرت کی اور اپنے بچوں کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔

"لاڈی! مجھے معاف کر دو۔ میں نے ناحق تمہیں مارا ہے۔" جمال نے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔

شام کے وقت لاڈی اصطبل میں خاموش کھڑی تھی کہ عثمان اُس کے قریب آیا۔

"میری پیاری لاڈی! برفی کھاؤ۔"

اس نے آگے بڑھ کر اُسے برفی کھلانا چاہی تو اُس نے منہ دُوسری طرف کر لیا۔ عثمان حیران رہ گیا۔

"لاڈی! کیا ہوا ہے؟"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیا ہوا ہے؟"

جمال نے اصطبل میں داخل ہوتے ہوئے عثمان کی بات سن لی تھی۔ جب جمال نے ساری بات عثمان کو بتائی تو وہ اپنی پیاری لاڈی کے ماتھے کو چومتے ہوئے بولا۔

"بابا! آپ آئندہ میری لاڈی کو نہیں ماریں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ لاڈی کو نہیں ماروں گا۔" جمال نے کہا۔

"لو لاڈی! اب تو برفی کھالو، برفی بہت مزے دار ہے۔"
عثمان لاڈی کے منہ میں برفی ڈالتے ہوئے بولا۔

ایک شام جمال لاڈی کو لے کر گھر واپس آرہے تھے کہ اچانک انہوں نے فائرنگ کی آواز سنی۔

"یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟" وہ بڑبڑائے۔

اس سے قبل کہ وہ پوری بات جانتے، ان کا ہمسایہ اقبال ان کی طرف بڑھا۔

"جمال بھیا! جلدی سے یہاں سے نکلو۔"

"کیوں کیا ہوا ہے؟" جمال نے بات درمیان سے اچک لی۔

"جمال بھیا! دو قبائلی خاندانوں میں لڑائی ہو گئی ہے، اب زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ آؤ اپنے گاؤں چلتے ہیں۔" اقبال تیز لہجے میں بولا۔

جمال لاڈی کو لے کر آگے بڑھا تو ایک گولی لاڈی کی ٹانگ میں لگی۔ ٹانگ سے خون کا ایک فوارہ ابل پڑا۔ لاڈی درد کے مارے بلبلا اٹھی۔ جمال اپنے ہمسائے اقبال کے ہمراہ لاڈی کو لے کر با مشکل شفاخانہ حیوانات تک پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے آپریشن کر کے گولی لاڈی کی ٹانگ سے نکال دی۔ خون بہت زیادہ بہہ جانے کے باعث لاڈی نڈھال سی ہو گئی تھی۔ ایک ماہ کے مسلسل علاج کے بعد اس کا زخم تو بھر گیا، مگر وہ صحیح طرح چل نہیں سکتی تھی۔ اس کی ٹانگ میں لنگ آگیا تھا۔ لنگڑے جانور کے لئے تو اپنا بوجھ اٹھانا مشکل ہوتا ہے، وہ بھلا دوسروں کا بوجھ کیا اٹھائے گا؟ لاڈی میں اب وہ پہلے والی بات نہیں تھی۔ وہ دو چار قدم چلنے کے بعد ہی تھک جاتی تھی۔ لاڈی کے لنگڑانے کی وجہ سے جمال کی آمدنی تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ جمال نے اپنے دوستوں

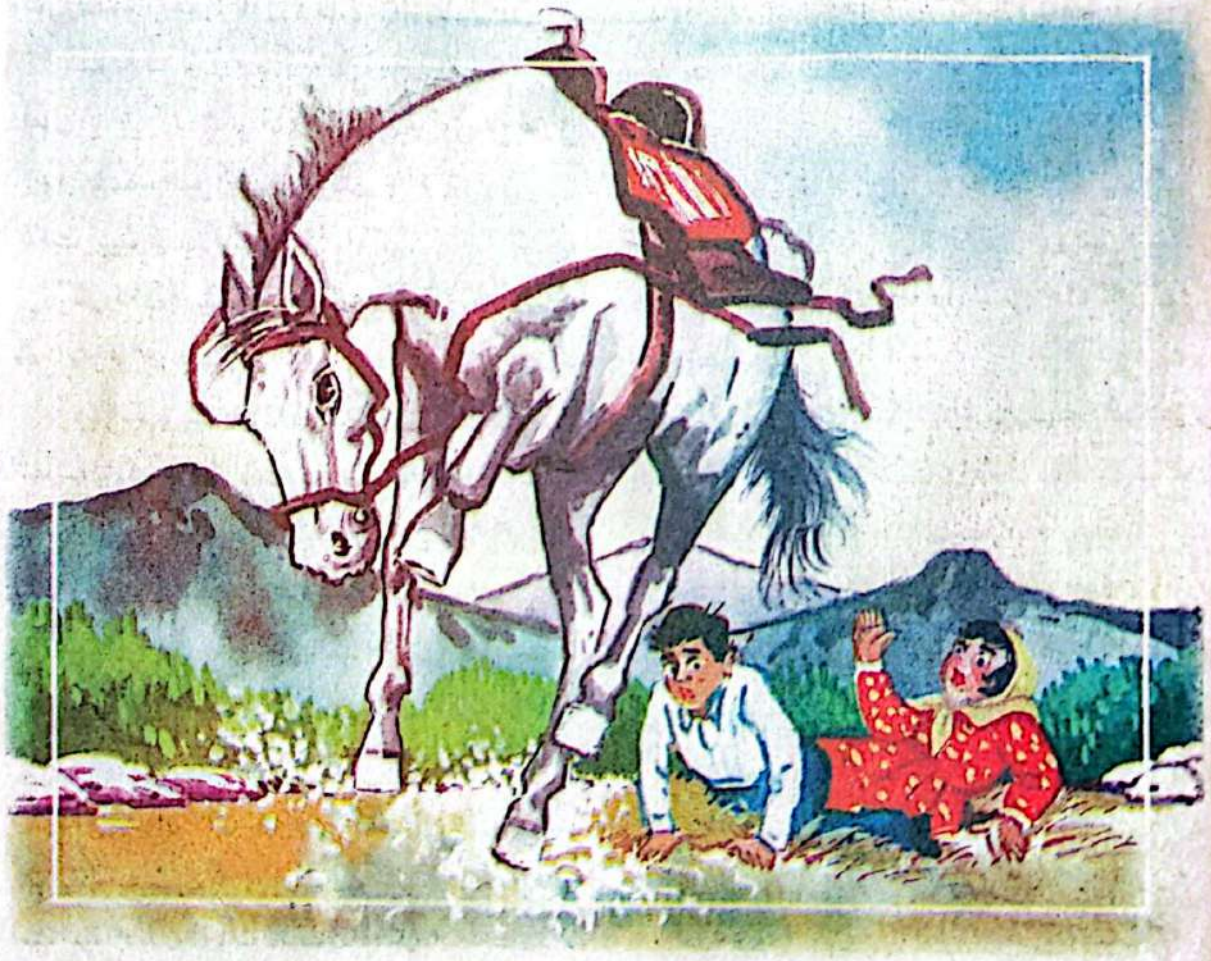

سے ادھار رقم لے کر لاڈی کا علاج کروایا تھا۔ انہوں نے لاڈی کے بارے میں سوچا تو انہیں صرف ایک ہی راستہ دکھائی دیا اور وہ راستہ یہ تھا کہ اسے بیچ کر کوئی نئی گھوڑی خریدی جائے۔ جب عثمان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

"میں لاڈی کو بکنے نہیں دوں گا۔ یہ اب بھی ہمارے لئے کچھ نہ کچھ کما سکتی ہے۔"

"بیٹا! اب یہ پہلے والی لاڈی نہیں رہی۔ اس کی ٹانگ کے لنگ نے ہماری آمدنی کم کر دی ہے۔ اسے بیچ دینا ہی بہتر ہے۔"

"میں آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔ یہ خود غرضی ہے۔ لاڈی کئی برسوں سے ہماری خدمت کر رہی ہے۔ اب اگر اس کی ٹانگ میں معمولی سا لنگ آگیا ہے تو ہمیں اس کی خدمت کرنی چاہیے یہی حق بات ہے۔" عثمان جذباتی انداز میں بولتا چلا گیا۔

دُوسرے دن سکول سے چھٹی تھی۔ عثمان لاڈی کی باگ پکڑ کر اصطبل سے چراگاہ کی طرف لے گیا۔ شہزاد اور یاور بھی اپنے اپنے گھوڑوں کی باگ پکڑے چراگاہ میں موجود تھے۔ یاور نے لاڈی کو دیکھتے ہی کہا۔

"وہ آئی لنگڑی گھوڑی، بڑا کہتا تھا میری لاڈی سب سے پیاری ہے۔"

"یاور! ایسا مت کہو عثمان کو دکھ ہو گا۔" شہزاد نے کہا۔

"میں تو وہی بات کہہ رہا ہوں جو سچی ہے، اب اس گاؤں میں میرے تیز گام جیسا کوئی دُوسرا گھوڑا نہیں ہے۔" یاور بولا۔

عثمان لاڈی کو خاموشی سے لیے ایک طرف کھڑا تھا، جب کہ یاور بار بار اُس پر طنزیہ جملوں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ جب عثمان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اُس نے یاور کا گریبان پکڑ کر دو تین تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیئے۔ شہزاد اگر مداخلت نہ کرتا تو دونوں میں لڑائی مزید بڑھ جاتی۔ شہزاد یاور کا بازو پکڑ کر اُسے دُوسری طرف لے گیا۔

"لاڈی! تم اپنے لنگ کے باوجود آج بھی بہت خوب صورت ہو، میں تمہیں بکنے نہیں دوں گا۔" عثمان نے محبت سے لاڈی کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اپنے بیٹے کی مخالفت کے باوجود جمال نے ایک شخص سے

لاڈی کو بیچنے کے لئے پیشگی رقم پکڑ لی۔

"جمال دین! پرسوں میں پوری رقم دے کر گھوڑی تم سے لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے، پرسوں گھوڑی تمہاری ہو جائے گی۔" جمال نے کہا۔

اگلی صبح جمال اصطبل میں گئے تو لاڈی کے منہ سے خون نکلتا ہوا دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ ان کے شور مچانے پر عثمان اصطبل کی جانب بھاگا۔

"کک..... کک..... کیا ہوا ہے بابا؟" عثمان بوکھلائے لہجے میں بولا۔

"بیٹا! لاڈی کے منہ سے خون نکل رہا ہے، تم ڈاکٹر صاحب کو بلا لاؤ۔"

"بابا! میں ابھی ڈاکٹر صاحب کو لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عثمان تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب اصطبل میں موجود تھے۔

"لگتا ہے لاڈی نے چارے کے ساتھ کوئی زہریلا کیڑا کھا لیا ہے۔"

عثمان پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ لاڈی کی صورت اُس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وہ دل ہی دل میں لاڈی کے لئے دُعا مانگنے میں مصروف تھا۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر صاحب اصطبل سے باہر آئے تو عثمان تیزی سے اُن کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر صاحب! میری لاڈی کیسی ہے؟"

"عثمان بیٹے! آپ کے لئے ایک بُری اور ایک اچھی خبر ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب کیا مطلب؟" عثمان نے پوچھا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کے بابا جمال افسردہ کھڑے تھے۔

"اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے ہاں ایک نئی لاڈی پیدا ہوئی ہے اور بُری خبر یہ ہے کہ زہریلے کیڑے کے زہر سے لاڈی اب اس دُنیا میں نہیں رہی۔"

یہ سن کر عثمان تیزی سے اصطبل میں داخل ہوا۔ ننھی سی لاڈی اپنی مردہ ماں کے قریب بیٹھی تھی۔

"میری پیاری لاڈی، میری اچھی لاڈی، تم ہم سے ناراض کیوں ہو گئی ہو؟" عثمان نے روتے ہوئے مردہ لاڈی کے پاس ایک ننھی لاڈی کو دیکھا تو اُسے یوں لگا کہ اس کی پیاری لاڈی زندہ حالت میں اس کے سامنے موجود ہے۔ لاڈی اس گھر سے زندہ حالت میں نہیں جانا نہیں چاہتی تھی، اُس نے ننھی لاڈی انہیں دے کر اپنے لنگڑے پن کا ازالہ کر دیا تھا۔ جمال سر جھکائے ایک طرف کھڑے تھے۔ وہ خود غرض تھے، انہوں نے اپنے مفاد کے لئے اپنی پیاری لاڈی کا بھی سودا کر ڈالا تھا۔

چچا تیز گام

جی ہاں! ہر معاملے میں تیز گام کی طرح کام کرنے والے "چچا تیز گام" اپنی حماقتوں اور شرارتوں کے ساتھ تعلیم وتربیت میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ چچا تیز گام اپنی مسکراہٹوں سمیت اگلے ماہ آپ کے درمیان موجود ہوں گے۔

کیوں کیسی رہی یہ خبر۔۔۔۔۔؟

ہونہار مصور

تصاویر صرف اُفقی رُخ میں ہی بنائیں

مینارِ پاکستان

ذوالنورین علیزئی، ڈیرہ اسماعیل خان (دوسرا انعام: 150 روپے کی کتب)

علیشبہ رفیق، فیصل آباد (پہلا انعام: 175 روپے کی کتب)

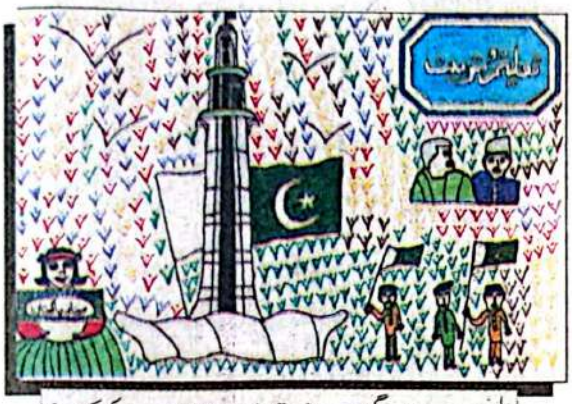

علی زیب خالد، گجرات (چوتھا انعام: 100 روپے کی کتب)

جمیلہ نواز، پشاور (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

نعیمہ حیدر، لسبیلہ (چھٹا انعام: 75 روپے کی کتب)

مہک نفیس صدیقی، لاہور (پانچواں انعام: 90 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: عائشہ شیخ راول پنڈی۔ سیدہ سمیہ کوئٹہ۔ سجدہ ابوذر، ردا ابوذر، عبداللہ، ضرغام احمد، عمیر عبدالکریم، حافظ عبدالمغنی ملتان۔ عروسہ حنیف، حیدر آباد۔ افراح عبدالعلیم، محمد شفیق بھٹی کراچی۔ ردا رئیس، حمزہ وقار لاہور۔ ثانیہ ارشد رحیم یار خان۔ محمد مزمل حسین، محمد تحسین احمد ساہی وال۔ عمر صفی، عاقب رباب، سلمٰی صفی چکوال۔ احمد حیدر خان کوٹ ادو۔ محمد طاہر گجرات۔ وقاص مصطفیٰ جھنگ۔ علی رضا قصور۔ نمرہ اجمل شیخوپورہ۔ طیبہ جبین واہ کینٹ۔ حبا اختر پاک پتن۔ مریم فاروق، ماہ نور گوجرانوالا۔ کومل ایوب بٹ، جہلم

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

آخری تاریخ 8 مارچ

آخری تاریخ 8 اپریل

مئی کا موضوع: تعلیم و تربیت کا سرورق

اپریل کا موضوع: درخت ہمارے دوست

میری زندگی کے مقاصد

عل حسنین، واہ کینٹ

میں بڑا ہو کر اپنے والدین اور ملک کی خدمت کروں گا۔

عمل عظیم، لاہور

میں ڈاکٹر بن کر غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گی۔

اسعد ریاض، لاہور

میں حافظ قرآن بن کر اسلام کی روشنی پھیلانا چاہتا ہوں۔

عیشہ عابد، اسلام آباد

میں بڑی ہو کر ٹیچر بنوں گی اور علم کی روشنی پھیلاؤں گی۔

شیخ سعید بن ساجد، کراچی

میں پاک فوج میں جا کر پاکستان کی خدمت کروں گا۔

شیخ حسان بن ساجد، کراچی

میں بڑا ہو کر ائیر فورس میں جاؤں گا اور دشمنوں کو ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔

شیخ محمد مبشر سلیم ریحیار خان

میں بڑا ہو کر ایک مسجد بنوانا چاہتا ہوں جس میں صبح و شام قرآنی تعلیم کا بھی اہتمام ہو۔

کاشف حسن، جہلم پر جنڈیں

میں سیاست دان بن کر ملک سے مہنگائی ختم کروں گا۔

ساجد عبدالرؤف، لاہور

میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ میں ڈاکٹر بن کر غریب اور لاچار لوگوں کا مفت علاج کروں۔

محمد نعمان کرم، سرگودھا

میں انجینئر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

عکاشہ شیخ، کراچی

میں ایک ہسپتال بنانا چاہتی ہوں جس میں ہر مریض کا مفت علاج کیا جائے گا۔

محمد ریاض، لاہور

میں فوجی بن کر پاکستان کے دشمنوں کا خاتمہ کروں گا۔

زجاجہ شیخ، کراچی

میں بڑی ہو کر ٹیچر بن کر غریب طالبات کو مفت تعلیم دوں گی۔

محمد ظفر، لاہور

میں بڑا ہو کر پولیس میں جاؤں گا اور جرائم کا خاتمہ کروں گا۔

منصور صفی، کراچی

میں سیاست دان بن کر عوام کے مسائل حل کروں گی۔

فضہ نصیر احمد، لاہور

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گی۔

صدام حسین، گوجرانوالا

میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ میں انجینئر بن کر اپنے والدین کا نام روشن کروں۔

انوشہ احمد، جہلم

میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں تاکہ اپنے وطن کے لوگوں کی خدمت کر سکوں۔

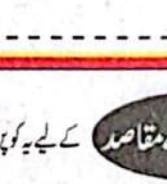

زین عابدین، لاہور

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

محمد بلال، کراچی

میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ میں پڑھ لکھ کر ملک و قوم کی خدمت کروں۔

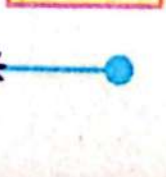

سید طلال حیدر، لاہور

میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور دکھی انسانیت کی خدمت کروں گا۔

میری زندگی کے مقاصد کے لیے یہ کوپن پر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ..... شہر .....

مقاصد .....

.....

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 مارچ 2010ء ہے۔

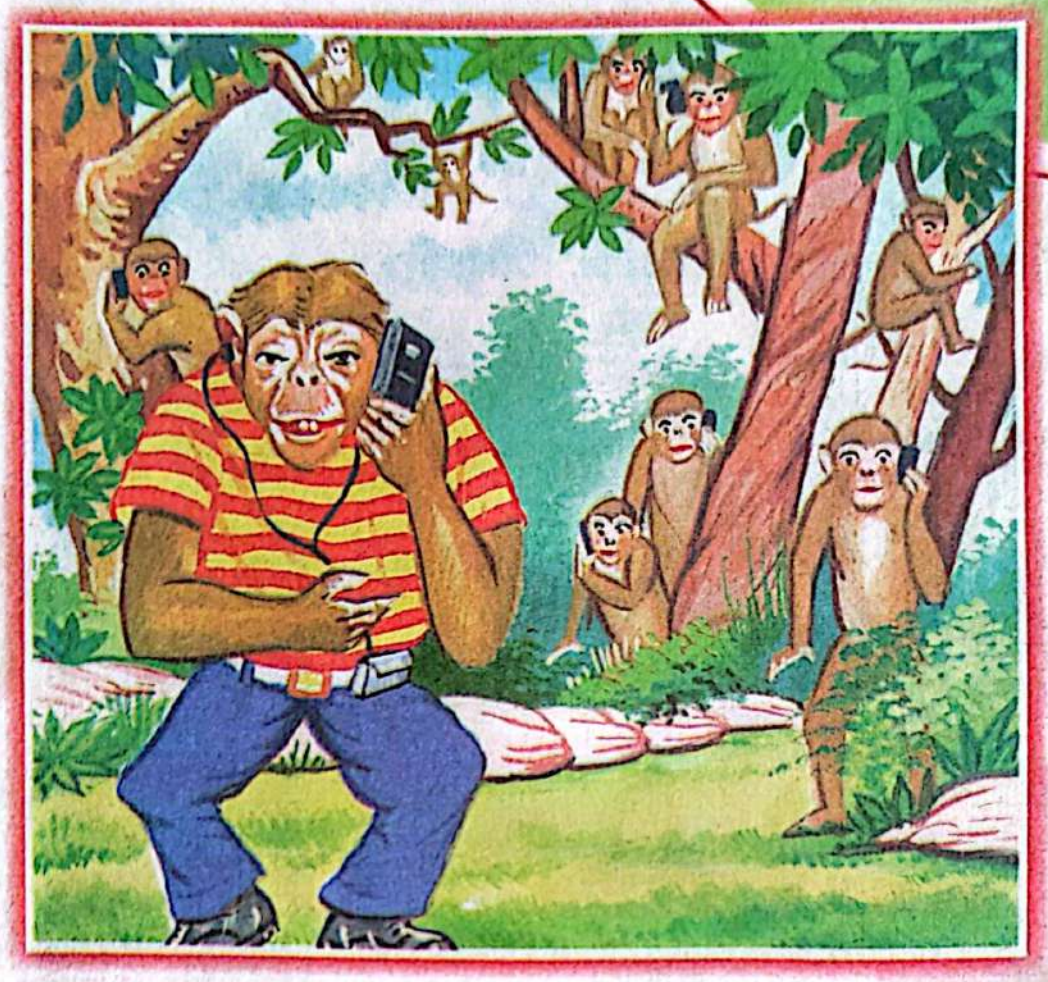

فروری 2010ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے ہزاروں عنوانات موصول ہوئے، جن میں سے مجلسِ ادارت کو 200 عنوانات پسند آئے اور یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی کتب کے انعامات کے حق دار قرار پائے۔

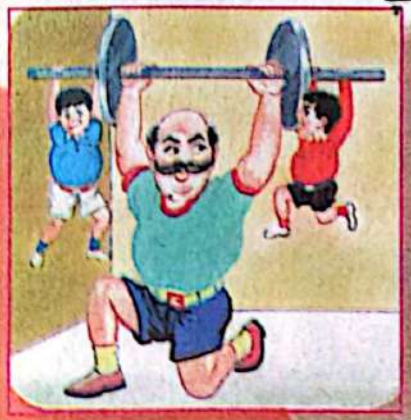

☆ نمرہ اقبال، کراچی (یہ ہے ورزش کا صحیح طریقہ)
☆ اَرینہ لوہانی، پشاور (باپ جان بنائے، بیٹے قد بڑھائیں)
☆ زینب عظیم، لاہور (اُٹھا تو لیا ہے لیکن گرانہ دیجئے گا)
☆ ماہ نور مالک، گوجرانوالا (بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ)
☆ محمد ضیغم سردار، ملتان (معاف کردیں ایڈیٹر صاحب آئندہ کوئی کہانی نقل کر کے نہیں بھیجیں گے)

باقی عنوانات اندر ملاحظہ کریں

بچوں کے لئے بہترین بین الاقوامی انگریزی میگزین

Monthly International

V SHINE

The Children Magazine

An English Magazine to help nourish young minds for good ethics

Rs.50/- only

تمام بڑے بک اسٹالز پر دستیاب ہے۔

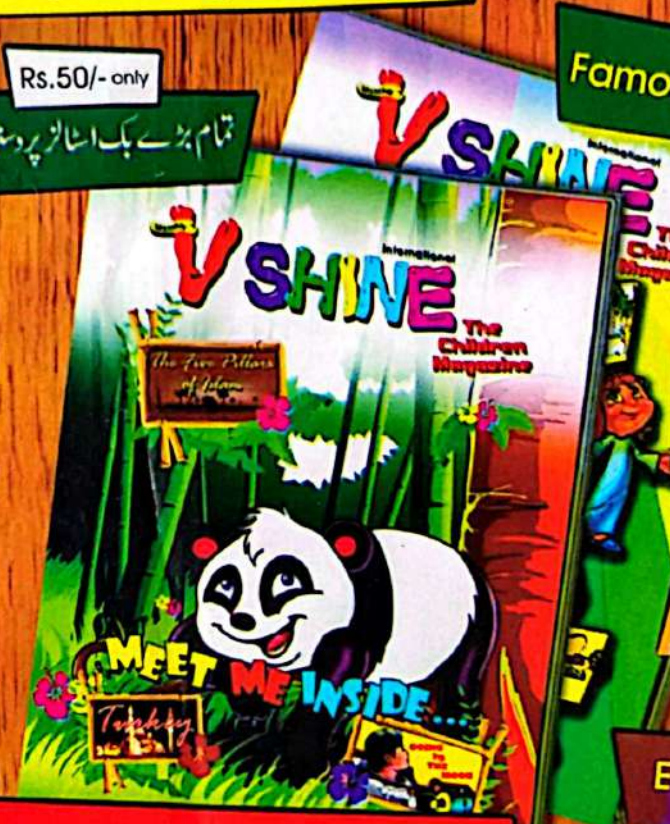

- Jokes
- Health Tips
- Famous Personalities
- World History
- Puzzles
- Ask Uncle Shine
- Poems
- Vocabulary Page
- Mind Games
- Educational Tips
- V SHINE Lab

For Further Details and Annual Subscription: 0333-3440293

For Annual Subscription (12 issues)

Saudia Arabia	: 96 Riyal
Pakistan	: 900 Rupees
U.K.	: 24 Pounds
U.S.A.(& other countries)	: 36 Dollars

Ph: +92 (21) 34810875
Fax: +92 (21) 34810857
E-mail: magazine@vshineworld.com
Website: www.vshineworld.com
Add: A -1, Shamoonabad, Block 13, Gulshan-e-Iqbal, Karachi, Pakistan.

دنیا بھر کے بچوں کے لیے بہترین ویب سائٹ، وہ بھی دنیا کی تین بڑی زبانوں میں

www.vshineworld.com

English Urdu Arabic

Note: Magazine will be delivered by courier service.

The Taleem-o-Tarbiat, Lahore
CPL NO. 123 PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES